ماہنامہ

اہل السنة

اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

December 2020

دسمبر ۲۰۲۰ء

علم عقیدہ کی چند اہم مصطلحات

عقائد واحکام میں خبر واحد کی حجیت

موسم سرما میں شرعی سہولیات کے چند مظاہر

انسانی اعمال پر ربانی وعدے

107

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی ○ نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی

ماہنامہ

خوشامدی کے منہ میں مٹی ڈالو ......

سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''إذا رأيتم المدَّاحين فاحثُوا في وجوههم التراب''

''جب تم خوشامد کرنے والوں کو پاؤ تو ان کے چہروں پر مٹی ڈالو'' (صحیح مسلم: ۳۰۰۲)

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''المدّاحون هم الذين اتخذوا مدح الناس عادة، وجعلوه بضاعة، يستأكلون به الممدوح ويفتنونه''

''خوشامدی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا طریقہ ہی لوگوں کی تعریفیں کرنا ہوتا ہے، تعریفوں کے ذریعے دوسروں سے اپنا مطلب نکالتے ہیں، اور انہیں فتنے میں ڈالتے ہیں'' (معالم السنن: ۲/۲۷۴)

Ahlus Sunnah

Volume No.8, Issue No.107, December 2020

ماہنامہ

دسمبر ۲۰۲۰ء

جلد: ۸ | فی شمارہ Rs. 30/-
شمارہ: ۱۰۷ | سالانہ Rs. 300/-

اہل السنة
Ahlus Sunnah
اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی • نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی

معاونین: ابوالبیان رفعت سلفی • حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی • گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی • دکتور عبیدالرحمٰن مدنی

• شیخ نورالحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

میگزین ممبرشپ رابطہ نمبر: 8080807836 / 8291063765

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ:

Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836
Website: ahlussunnah.co.in | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اهل السنة

Ahlus Sunnah

اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

ہر بیماری کا علاج ہے	کفایت اللہ سنابلی	05
علم عقیدہ کی چند اہم مصطلحات (دسویں قسط)	عبیداللہ الباقی اسلم	06
عقائد واحکام میں خبر واحد کی حجیت (دوسری وآخری قسط)	عبدالمالک رحمانی	15
کتاب ''چار دن قربانی'' پر اعتراضات کے جوابات (تیسری قسط)	زبیر یحییٰ عالیاوی	18
خطبۂ غدیر خُم اور اہل بیت کے حقوق (قسط نمبر:1)	مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ	28
موسم سرما میں شرعی سہولیات کے چند مظاہر	مامون رشید ہارون رشید سلفی	37
دنیا کی حقیقت اور انسانی خواہشات	محمد محبّ اللہ سیف الدین المحمدی	43
انسانی اعمال پر ربانی وعدے	حافظ خلیل الرحمٰن سنابلی	46
اعمال میں اتباع کتاب وسنت کی اہمیت	ام حبان	48

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اداریہ

ہر بیماری کا علاج ہے

کفایت اللہ سنابلی

صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے دوٹوک میں یہ بات کہہ دی ہے کہ ہر بیماری کا علاج ہے، اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

”مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً“

”اللہ تعالیٰ نے جس بیماری کو بھی نازل کیا ہے، اس کی شفاء کو بھی نازل کیا ہے“ [صحيح بخاري :۔ كتاب الطب، رقم:٥٦٧٨]

ایک دوسری روایت میں اس کے بعد یہ بھی الفاظ ہیں کہ:

”عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ، وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ“

”اس علاج کو جس نے جان لیا اس نے جان لیا، اور جو لاعلم رہا، وہ لاعلم رہا“ [مسند أحمد ط الرسالة، رقم:٣٥٧٨، وحسنه المعلقون عليه]

اللہ کے نبی ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں مسلمانوں کو نہ صرف یہ کہ کسی بھی بیماری کو اصلاً لاعلاج نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ ہر بیماری کے علاج کی جستجو میں سب سے پہلے مسلمانوں ہی کو پیش قدمی کرنی چاہے۔ کیونکہ ان کے پاس اس بات کا قطعی یقین ہے کہ کوئی بھی بیماری لاعلاج نہیں ہے۔

لیکن بے حد افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمان دنیائے طب میں لوگوں کی قیادت کرنے کے بجائے دوسروں سے امید لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ اس بیماری کا علاج دریافت کریں گے اور ہم ان سے استفادہ کریں گے۔

اور قیادت کرنا تو دور کی بات کتنے کج فہم تو ایسے ہیں کہ علم طب سے متعلق مسلم نوجوانوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں اور یہ باور کراتے ہیں کہ یہ صرف دنیاوی علم ہے۔ لیکن انہیں کون سمجھائے کہ گرچہ یہ دنیاوی علم ہے، مگر اس علم سے دین کی بھی بہت بڑی خدمت ہوتی ہے، بلکہ دین کے بہت سے احکامات پر اس کے بغیر عمل ممکن ہی نظر نہیں آتا۔

اسلام نے پردے کے معاملے میں بڑی سختی کی ہے، لیکن علم طب سے مسلمانوں کی دوری کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے اسپتالوں میں مسلم عورتوں کے پردے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔

قرآن نے ایک زندگی بچانے کو پوری انسانیت کی زندگی بچانے سے تعبیر کیا ہے، ایک مسلمان ایک ڈاکٹر بن کر بہت سے مریضوں کی زندگی بچانے میں اپنا کردار نبھا سکتا ہے، بلکہ اس قرآنی فرمان پر عمل کے لئے علم طب سے بہتر کوئی اور چیز ہے ہی نہیں۔

علم طب میں مسلمانوں کی گرفت نہ ہونے کے سبب آج کتنے لوگ ایسے ہیں جو علاج کے نام پر غریبوں کو لوٹتے ہیں بلکہ کتنے بدمذہب لوگ ایسے ہیں جو علاج اور بیماری کے نام پر مسلمان مریضوں کو غلط عقائد اور باطل نظریات کا حامل بناتے جارہے ہیں۔

مسلمان علم طب میں ترقی کر کے نہ صرف یہ کہ خدمت خلق اور رفاہی کام انجام دے سکتے ہیں، بلکہ اس راہ سے بھی اپنے دین وعقیدہ کی اشاعت اور اسلامی احکام پر عمل کی راہ ہموار کر سکتے ہیں۔ رب العالمین توفیق دے آمین!

دسویں قسط

علم عقیدہ کی چند اہم مصطلحات

عبداللہ الباقی اَسلم

اہل السنۃ والجماعۃ کی وسطیت: (دوسرا حصہ)

علم عقیدہ کی چند اہم مصطلحات کی نویں قسط میں اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ اہل السنہ والجماعہ ہی اہل تعطیل واہل تمثیل کے درمیان وسطیت پر قائم ہیں، اوراسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ذیل کے سطور میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کے باب میں بھی اہل السنہ والجماعہ وسطیت پر گامزن ہیں۔

ثانیاً: تقدیر کے باب میں اہل السنہ والجماعہ ''جبریہ اور قدریہ'' کے مقابلے میں وسطیت پر قائم ہیں:

تقدیر پر ایمان رکھنا:

اس بات پر ایمان رکھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی سے ہر چیز کو مقدر کر کے رکھا ہے، وہ بخوبی جانتا ہے کہ کون سی چیز کب، کہاں، اور کیسے واقع ہونے والی ہے؟ اور کوئی بھی چیز اس کے علم سے خارج نہیں ہے۔ دیکھیں: [شرح النووی علیٰ صحیح مسلم: ۵۴/۱]

وہیں اس بات پر بھی ایمان رکھنا واجب ہے کہ تقدیر ایمان کا ایک اہم رکن ہے، جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے:

''وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ، خَيْرِهِ وَشَرِّهِ''

''اور تم بھلی وبری تقدیر پر ایمان رکھو'' [صحیح مسلم :ح:۸]

تقدیر کے مراتب:

تقدیر کے چار مراتب ہیں، اور کوئی بھی انسان ان چاروں مراتب پر ایمان رکھے بغیر مومن نہیں ہوسکتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

أ۔ **العلم:** کسی بھی چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾

''تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور اللہ نے ہر چیز کو علم کے اعتبار سے گھیر رکھا ہے'' [سورۃ الطلاق: ۱۲]

ب۔ **الکتابۃ:** ہر واقعہ کو وقوع سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا نَحۡنُ نُحۡيِي الۡمَوۡتٰى وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمۡ وَكُلَّ شَيۡءٍ أَحۡصَيۡنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾

''بیشک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے، اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے'' [سورة يس:١٢]

ج۔ **المشیئۃ:** ہر چیز کے واقع ہونے میں اللہ کی مشیئت شامل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الۡعَالَمِينَ﴾

''اور تم بغیر رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے ہو'' [سورة التكوير:٢٩]

د۔ **الخلق:** دینا کی ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا، اور وہی ان کو وجود میں لانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُونَ﴾

''اور اللہ نے تمہیں اور جو تم کام انجام دیتے ہو اس کو بھی پیدا کیا ہے'' [سورة الصافات:٩٦]

دیکھیں: [أعلام السنة المنشورة للشيخ حافظ الحكمي (ص:١٢٤-١٤١)، اور وسطية أهل السنة للدكتور محمد با كريم (ص:٣٦٣-٣٦٦)]

تقدیر پر اعتراض:

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں باب قدر میں تین طرح کے لوگ تھے:

أ۔ **کفار و مشرکین:** جنہوں نے نبی ﷺ کے سامنے قدر پر اعتراض کیا تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿يَوۡمَ يُسۡحَبُونَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمۡ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ، إِنَّا كُلَّ شَيۡءٍ خَلَقۡنَاهُ بِقَدَرٍ﴾

''جس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) دوزخ کی آگ لگنے کے مزے چکھو، بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے'' [سورة القمر:٤٨-٤٩]

ب۔ **منافقین:** انہوں نے بھی قدر پر اعتراض کیا۔ اور کہا:

﴿لَوۡ كَانَ لَنَا مِنَ الۡأَمۡرِ شَيۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هَاهُنَا﴾

'' اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ کئے جاتے'' [سورة آل عمران:١٥٤]

ج۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے قدر پر اعتراض نہیں کیا، البتہ ایک دفعہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قدر کے مسئلے کو لے کر بحث کر رہے تھے، نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو سخت ناراض ہوئے، غصے سے ان کا چہرہ مبارک اس قدر لال ہوگیا کہ گویا انار کے دانے اس پر نچوڑ دیئے گئے ہوں، اور غصے میں فرمایا:

''أَبِهٰذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهٰذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَنَازَعُوا فِي هٰذَا الْأَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَلَّا تَتَنَازَعُوا فِيهِ''

''کیا میں نے تمہیں یہی حکم دیا تھا، یا میں اسی لیے بھیجا گیا تھا؟ (یادرکھو) تم سے پہلے کے لوگ اسی بارے میں اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اس معاملے میں اختلاف نہ کرو'' [سنن الترمذی: ۲۱۳۳]

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی کسی نے قدر پر اعتراض نہیں کیا، مگر جب شام (جہاں ان دنوں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی تھی) میں داخل ہوئے بغیر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوٹنے لگے تو حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''يا أمير المؤمنين أ فراراً من قدر الله؟''

''کیا اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟'' [صحیح البخاری:۵۷۲۹]

تو اس وقت اُنہیں یہ کہہ کر جواب دیا:

''نعم نفر من قدر الله إلى قدر الله''

''ہاں ہم اللہ کی ایک تقدیر سے اسی اللہ کی دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں''

دراصل قدر پر اعتراض کے فتنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اواخر میں جنم لیا، اس سلسلے میں امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أول من نطق في القدر رجل من العراق يقال له: سوسن، كان نصرانيا فأسلم، ثم تنصر، فأخذ منه معبد الجهني، وأخذ غيلان عن معبد''

''تاریخ میں پہلی بار جس شخص نے مسئلہ تقدیر کے بارے میں گفتگو کی وہ عراق کا ''سوسن'' نامی شخص تھا، اصلاً وہ عیسائی تھا، پس اس نے اسلام قبول کیا، پھر عیسائیت اختیار کرلی، اسی سے ''معبد جہنی'' نے (فکرہ نفی قدر) اخذ کیا، اور پھر اس معبد جہنی سے ''غیلان'' نامی شخص نے (یہ فکرہ) حاصل کیا'' [شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة:

۷۵۰/۳]

چنانچہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن مسعود، جابر بن عبد اللہ، ابو ہریرہ، واصلہ بن اصقع وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خوب اس فتنے کی تردید کی۔

پھر اس کے بعد معتزلہ (واصل بن عطا، عمرو بن عبید اور غیلان دمشقی) نے معبد سے یہ فکرہ حاصل کیا، اور قدر کے باب میں انہوں نے اسی مذہب کو فروغ دیا۔

خلافت بنی امیہ کے اواخر میں جبر کے فتنہ نے سر اٹھایا، سب سے پہلے جہم بن صفوان نے اس فتنے کی شروعات کی، پھر اس کا زہر پھیلتا گیا۔ دیکھیں: [القضاء والقدر للدكتور عمر سليمان أشقر: ص: ۱۵-۱۹]

مگر ائمہ سلف نے ان دونوں فرقوں کی خوب تردید کی، ان کے باطل اقوال کو بیان کیا، ان کے بعض علماء سے مناقشہ کیا، اور امت کو ان کے فتنے کی خطرناکی پر آگاہ بھی کیا۔ دیکھیں: [مجموع الفتاوى لابن تيمية: ۳۸۴/۷، ۴۵۰/۸]

بندوں کے افعال کے سلسلے میں اہل السنہ والجماعہ، قدریہ، اور جبریہ کا موقف:

۱۔ قدریہ:

قدریہ -معتزلہ- نے تقدیر کو ثابت کرنے میں زیادتی کی ہے، انہوں نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ بندوں کے افعال میں اللہ تعالیٰ کو قدرتِ خلق حاصل ہے، چنانچہ ان کا کہنا ہے: بندے کے کسی بھی کام میں اللہ قدرت نہیں رکھتا، بنا بریں بندے کے کام -ان کے نزدیک- اللہ کی مخلوق نہیں، بلکہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ دیکھیں: [شرح الأصول الخمسة لعبد الجبار الهمداني: ص: ۳۲۳]

قدریہ معتزلہ کا یہ اعتقاد درحقیقت ایک فلسفیانہ اعتقاد ہے، جس کی بنا اس اصل پر ہے: "**لكل أثرٍ مؤثرٌ واحدٌ فقط**" "ہر اثر کا صرف ایک ہی مؤثر ہے" لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کو بندے کے افعال کا خالق مانا جائے تو اس سے ایک ہی اثر کے دو مؤثر ثابت ہوں گے، مگر ان کا یہ اعتقاد باطل ہے۔

۲۔ جبریہ:

جبریہ -جہمیہ- نے تقدیر کو ثابت کرنے میں غلو کیا، انہوں نے اس بات کا نکار کیا کہ بندہ اپنے افعال کا ذمہ دار ہے، وہ کرنے اور نہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، اور کہا کہ: "درحقیقت کوئی بھی کام بندے کے بس میں نہیں ہوتا ہے، وہ صرف اللہ کی طاقت میں ہے، کیونکہ وہی فاعل ہے، اور لوگوں کی طرف محض مجازی طور پر ان کے کام منسوب کئے جاتے

ہیں' جیسا کہ کہا جاتا ہے: درخت ہلا، فلک گھوما، سورج زوال پذیر ہوا، اور حقیقت یہ ہے کہ درخت، فلک، اور سورج کے ساتھ یہ کام کرنے والا اللہ ہے۔ دیکھیں: [مقالات الإسلامیین و اختلاف المصلین لأبی الحسن الأشعری : ۱/ ۳۳۸]

حالانکہ اللہ کی ذات ہی ہے جو انسانوں کے افعال کا خالق ہے، اور وہی تمام جمادات کو اپنی مشیئت کے تحت پیدا کرتا ہے۔ دیکھیں: [شفاء العلیل لابن القیم :ص: ۵۱]

لیکن ان لوگوں نے اس بات کا انکار کیا کہ بندہ اپنے افعال کا فاعل ہے، اور اس چیز کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ قدریہ معتزلہ نے تقدیر کا انکار کیا، اور کہا کہ: ''**الخلق خلق العبد**'' ''بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے'' اور ان کا یہ اعتقاد مندرجہ ذیل اصولوں پر قائم:

۱۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارداہ فرماتا ہے، اسے پسند بھی کرتا ہے۔

۲۔ اللہ عزوجل معاصی اور برائیوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

۳۔ لوگوں کے درمیان مختلف قسم کی برائیاں پائی جاتی ہیں۔

نتیجہ: کفر وشرک اور دیگر برائیاں بندوں کے اراد وں کے تحت واقع ہوتی ہیں، لہٰذا بندے ہی اپنے افعال کے خالق ہیں۔

جبکہ جبریہ جہمیہ نے تقدیر کو ثابت کرنے میں غلو کیا، اور کہا کہ: ''**الفعل فعل الرب**'' ''جو کچھ ہوتا ہے وہ رب کی طرف سے ہوتا ہے'' اور ان کا یہ باطل اعتقاد ذیل کے اصولوں پر قائم ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارداہ فرماتا ہے، اسے پسند بھی کرتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے افعال محض اس کی مشیئت کے تحت واقع ہوتے ہیں (جن کے پیچھے کوئی حکمت یا مصلحت نہیں ہوتی ہے)

۳۔ دنیا میں کوئی بھی چیز خود سے اچھی یا بری نہیں ہوتی ہے، بلکہ اچھائی و برائی کا معیار صرف عقل ہے۔

نتیجہ: جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، بندوں کا اس میں کوئی بھی عمل دخل نہیں ہوتا ہے۔

اور اس طریق پر دونوں ہی فرقے گمراہ ہوئے، اور ان کی گمراہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ''خلق ومخلوق''، ''فعل ومفعول'' اور ''مشیئت ومحبت'' کے درمیان فرق نہیں کیا:

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وجهم ومن وافقه من المعتزلة اشتركوا فى أن مشيئة الله ومحبته ورضاه بمعنى واحد، ثم قالت المعتزلة: وهو لا يحب الكفر والفسوق و العصيان فلا يشاؤه، فقالوا: إنه يكون بلا مشيئة، وقالت الجهمية: بل هو يشاء ذالك فهو يحبه ويرضاه“

”یعنی معتزلہ میں سے جہم اوراس کے متبعین اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت، اس کی محبت اور اس کی رضاسب ایک ہی ہیں، پھر معتزلہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کفر، معاصی اور فسق و فجور کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی اس میں اس کی مشیئت شامل ہے، اسی طرح انہوں نے کہا: یہ سب بلا مشیئت کے ایسے ہی ہوتا ہے، جبکہ جہمیہ نے کہا: یہ سب اللہ کی مشیئت سے ہوتا ہے لہٰذا وہ ان کو پسند کرتا ہے، اوران سے راضی ہوتا ہے“[مجموع الفتاویٰ: ۴۷۴/۸ ـ ۴۷۵]

مگرحق یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی محبت ومشیئت میں فرق کیا جائے، ساتھ ہی اس کی تخلیق اور مخلوق میں بھی فرق کیا جائے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قال أهل العلم: التخليق فعل الله، وأفاعيلنا مخلوقة“

”اہل علم نے کہا ہے: تخلیق یہ اللہ کا فعل ہے اور ہمارے افعال مخلوق ہیں“[خلق أفعال العباد :ص:۱۱۴]

اورشیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وأما جمهور أهل السنة المتبعون للسلف والأئمة فيقولون: إن فعل العبد فعل له حقيقة، ولكنه مخلوق لله، ومفعول لله، لا يقولون: هو نفس فعل الله، و يفرقون بين الخلق و المخلوق، والفعل والمفعول“

”جمہور اہل سنت والجماعت جو سلف کے منہج کی اقتدا کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں: بندے کا فعل حقیقت میں اسی کا فعل ہے، لیکن وہ اللہ کی مخلوق ہے، اور اللہ ہی کا مفعول ہے، وہ یہ نہیں کہتے ہیں: وہ فعل فی نفسہٖ اللہ کا فعل ہے بلکہ وہ اللہ کی تخلیق اور مخلوق کے درمیان اور فعل اور مفعول میں فرق کرتے ہیں“[منهاج السنة النبوية:۲۹۸/۲]

واضح رہے کہ ان دونوں فرقوں میں جبریہ کی گمراہی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ قدریہ نے امر اور نہی کو ثابت کرنے میں غلو سے کام لیا یہاں تک کہ انہوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہیں، جبکہ جبریہ نے قدر کو ثابت کیا مگر اسی قدر کے ذریعہ امر اور نہی کو باطل قرار دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فمن أثبت القدر واحتج به على إبطال الأمر والنهى فهو شر ممن أثبت الأمر والنهى، ولم

يثبت القدر"

"جس نے قدر کو ثابت کیا اور اسی قدر کو اوامر ونواہی کو باطل قرار دینے میں بطور دلیل پیش کیا تو ان کا شر زیادہ خطرناک ہے بنسبت ان کے جنہوں نے اوامر ونواہی کو تو ثابت کیا لیکن قدر کو ثابت نہیں کیا" [مجموع الفتاوىٰ: ۸/ ۱۰۰]

۳۔ اہل السنہ والجماعہ:

اہل السنہ والجماعہ کی وسطیت اس باب میں بایں طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ ان کا منہج ان بنیادی اصولوں پر قائم ہے:

۱۔ دنیا میں جو کچھ واقع ہوتا ہے، چاہے اس کا تعلق اعیان سے ہو یا افعال سے، سب اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم، کتابت، مشیئت، اور خلق کے تحت داخل ہیں۔

۲۔ ہدایت دینا اور گمراہ کرنا محض اللہ عز وجل کے اختیار میں ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور بندوں کی مشیئت کو ثابت کرنے میں نہ تعارض ہے، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا بندوں کے افعال کے خالق ہونے، اور ان کے لئے ان کے افعال کو ثابت کرنے میں کوئی تعارض ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت اس کے لائق ہے، اور بندوں کی بھی اپنی مشیئت ہے، جو مشیئت الٰہی کے تابع ہوا کرتی ہے، ساتھ ہی جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اردہ تامہ، اور قوت جازمہ عطا کرتا ہے، اور ہر قسم کے موانع سے دور بھی رکھتا ہے تب ان کے افعال وجود میں آتے ہیں، بنا بریں اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے، جبکہ بندے اپنے افعال کے فاعل ہیں۔

چنانچہ انہوں نے اس بات کو ثابت کیا کہ بندہ اپنے افعال کا ذمہ دار ہے، اسے ارادہ، مشیئت، اختیار اور قدرت حاصل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾

"بے شک کان، آنکھ، اور دل، ان سب کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا" [سورة الإسراء: ۳۶]

لہٰذا بندے کو اٹھنے بیٹھنے، چلنے، پھرنے، کھانے پینے، سونے جاگنے وغیرہ کا اختیار حاصل ہے، پس وہ حقیقت میں نماز پڑھتا ہے، چلتا ہے، پھرتا ہے، کماتا ہے غرضیکہ جو کچھ وہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخوبی جانتا ہے، اور اس پر اسے قدرت بھی حاصل ہے، لہٰذا چاہے تو اسے روک دے، اور چاہے تو اسے کرنے کا اختیار دے، کیونکہ اس کی مشیئت کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہلتا ہے، اور وہی ہر چیز کا حقیقی خالق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾

’’اوراللہ نے تمہیں اورتمہارے تمام اعمال کو پیدا فرمایا ہے‘‘[سورة الصافات:٩٦]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’والعباد فاعلون حقيقة، والله خالق أفعالهم. والعبد: هو المؤمن، و الكافر، والبر و الفاجر، والمصلی والصائم‘‘

’’بندے اپنے افعال کے حقیقی فاعل ہیں اوران تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے،اور بندہ خواہ وہ مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا فاجر اور خواہ وہ نمازی ہو یا روزے دار سبھی اس کے بندے ہیں‘‘

اور فرماتے ہیں:

’’وللعباد قدرة على أعمالهم، ولهم إرادة، والله خالقهم وخالق قدرتهم، وإرادتهم، كما قال:﴿لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ، وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾‘‘ [سورة التكوير: ٢٨-٢٩]

’’اور بندوں کو اپنے اعمال کو انجام دینے کی قدرت بھی ہے،اوران کا ارادہ بھی ہے،اوراللہ تعالیٰ ہی ان کا اوران کی قدرت اورارادہ کا خالق ہے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:(بالخصوص)اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے،اورتم بغیر رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے‘‘[العقيدة الواسطية ضمن”متون طالب العلم“ص:١٥٢]

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے،لہٰذا بندے کے افعال کا خالق بھی اللہ عزوجل ہی ہے،اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مشیئت عطا کی ہے،لہٰذا وہ اپنی مشیئت اورارادے کے مطابق افعال انجام دیتے ہیں،مگران کی مشیئت اللہ عزوجل کی مشیئت کے تابع ہوا کرتی ہے۔جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’وكل شيء يجري بتقدير و مشيئته، ومشيئته تنفذ، ولا مشيئة للعباد إلا ما شاء الله لهم، فما شاء كان، وما لم يشأ لم يكن‘‘

’’ہر چیز اس کی تقدیر اور مشیئت کے مطابق انجام پاتی ہے،اس کی مشیئت نافذہ ہوتی ہے،اور بندوں کی وہی مشیئت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے چاہتا ہے،اس لیے جو چاہا ہوا اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا‘‘[العقيدة الطحاوية ضمن”متون طالب العلم“ص:١٣٤]

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومـمـا اتفق عليه سلف الأمة و أئمتها مع إيمانهم بالقضاء و القدر و أن اللّٰه خالق كل شيء، وأنـه مـا شـاء كـان و ما لم يشأ لم يكن، و أن اللّٰه يضل من يشاء و يهدي من يشاء ، أن العباد لهم مشيئة و قدرة، و يفعلون بقدرتهم و مشيئتهم ما أقدرهم اللّٰه عليه مع قولهم إن العباد لا يشاء ون إلا أن يشاء اللّٰه“

”اور جس بات پر اس امت کے سلف اور ائمہ کرام کا اتفاق ہے وہ یہ کہ وہ قضا وقدر پر ایمان رکھتے ہیں، نیز اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اور اس نے جو چاہا وہ ہوا اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا، اور وہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے ہدایت نصیب کرتا ہے، یقیناً بندوں کے افعال میں ان کی بھی مشیئت اور ارادہ ہوتا ہے، اور وہ اپنی مرضی اور ارادے سے انہی امور کو انجام دیتے ہیں جن پر اللہ نے انہیں قادر بنایا ہے، اور (ساتھ ہی) ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ بندے کی وہی مشیئت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے چاہتا ہے“ [مجموع الفتاویٰ:۴۵۹/۸]

خلاصۂ کلام:

یہ ہے کہ اہل السنہ والجماعہ قدر کے باب میں اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے، اسی طرح وہ ان کے افعال کا بھی خالق ہے، اور بندے اپنے افعال کے حقیقی فاعل ہیں، جن پر وہ قدرت اور مشیئت رکھتے ہیں، مگر ان کی مشیئت اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تابع ہوا کرتی ہے۔

ساتھ ہی وہ اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کائنات میں جو بھی چیز وقوع پذیر ہوتی ہے، وہ اللہ کے علم، ارادے اور مشیئت سے خارج نہیں ہے:

﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِن ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾

”ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں (نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ چھوٹی نہ بڑی مگر کھلی کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے“ [سورة سبأ:۳]

دیکھیں: [عقيدة السلف أصحاب الحديث للصابوني :ص:۷،أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي:۵۳۴/۳، و منهاج السنة لابن تيمية:۴۵۹/۱۔۴۶۰، و شفاء العليل لابن القيم:ص:۴۹۳]

جاری ہے.........

(دوسری و آخری قسط)

عقائد و احکام میں خبر واحد کی حجیت

عبدالمالک رحمانی

گزشتہ مضمون میں آپ نے قرآن مجید کی آیات اور مفسرین کے اقوال کی روشنی میں عقائد میں خبر واحد کی حجیت دیکھی یہاں -ان شاء اللہ - ہم سنت رسول ﷺ یعنی احادیث نبویہ کی روشنی میں عقائد واحکام میں خبر واحد کی حجیت دیکھیں گے۔

قارئین کرام!

اولاً ہم احادیث اور موجودہ مسئلہ میں وارد نصوص کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ نصوص مباشر یعنی صریح نص جو عقائد کے باب میں خبر واحد کی حجیت پر ڈائریکٹ دلالت کرتی ہے اور اسے کسی استدلال کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔

۲۔ نصوص غیر مباشر یعنی وہ نصوص جو بالکل صریح تو نہیں ہیں البتہ ان سے عقائد کے باب میں خبر واحد کی حجیت پر استدلال کیا گیا ہے۔

اب آیئے تفصیل سے ان نصوص پر بات کرتے ہیں۔

۱۔نصوص مباشر میں وہ تمام دلائل شامل ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو بادشاہوں، ملوک و سلاطین اور بعض علاقوں میں ان کے سرداروں کے پاس دعوتی خطوط دے کر بھیجا تھا اور اس راستے سے ان کو اسلام کی دعوت دی تھی جن میں سب سے اہم دعوت دعوت توحید اور عقیدہ تھی جیسا کہ ابوعبیدہ عامر بن الجراح کو اہل نجران کی طرف (صحیح بخاری:۴۳۸۱) دحیہ کلبی کو عظیم بصریٰ قیصر کے پاس (صحیح البخاری:۲۹۴۰) اور بطور خاص معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اجمعین کو یمن کی طرف۔ جب ان کو یمن بھیجا تو ساتھ ہی چند نصیحتیں بھی کیں جن کا جاننا اور ان کو ضبط کرنا ایک داعی اور مبلغ کے لیے بہت اہم ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا:

”إِنَّکَ تَقْدَمُ عَلٰى قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى، فَإِذَا عَرَفُوا ذَالِکَ، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا صَلَّوْا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فَقِيرِهِمْ، فَإِذَا أَقَرُّوا

بِذَالِکَ، فَخُذْ مِنْهُمْ، وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ"[صحيح البخاري:۷۳۷۲]

کہ معاذ تم جانتے ہو جہاں جارہے ہو وہ اہل کتاب کی سرزمین ہے اس لیے اپنی دعوت کا آغاز توحید سے کرنا اور سب سے پہلے انہیں اللہ تعالی کی وحدانیت کی تعلیم دینا اوران سے شہادت لینا اور میرے رسول ہونے کی بھی شہادت لینا پھر باقی آگے بتدریج شریعت کے دیگر احکام بتانا جیسے نماز روزہ وغیرہ۔

اگر ان نصوص میں غور کریں تو واضح ہوگا کہ یہ سارے نصوص اپنے باب میں صریح ہیں کہ جہاں بھی آپ نے دعوتی خطوط دے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا وہاں سب سے اہم دعوت توحید اور عقیدہ کی تھی اور بالخصوص حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو نصیحت اور دعوت توحید کو اولیت دینے کا حکم جہاں یہ بتلاتا ہے کہ دین کی دعوت میں دعوت توحید اور عقائد کے مسائل کو مقدم رکھا جائے گا وہیں خبر واحد کی حجیت پر بھی یہ سارے نصوص دلائل ہیں کیوں کہ ان سب کو فرداً فرداً آپ نے ان علاقوں کی طرف بھیجا تھا۔

اگر خبر واحد عقائد کے باب میں حجت نہیں ہوتی تو اولاً ان کی ذات پر اعتراضات ہوتے اور پھر ان کی باتوں پر عدم اطمینان کا اظہار لیکن ایسا نہیں ہے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو تنہا بھیج کر بھی اتمام حجت کر دیا اور کسی نے اعتراض تک نہیں کیا جو اس بات پر دال ہے کہ اس طرح کی تفریق کے وہ قائل ہی نہیں تھے۔

۲۔ اب اگر ان نصوص کی بات کریں جو ڈائریکٹ تو عقائد کے باب میں خبر واحد کی حجیت پر دلیل نہیں لیکن ان کے عموم سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے تو اس میں وہ تمام نصوص شامل ہیں جن میں مطلق خبر واحد کے قبول کرنے کے آثار ملتے ہیں اور انہی میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہے، لمبی روایت ہے، جس میں ہمارے موضوع سے متعلق یہ ٹکڑا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ:

"**وَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِذَا غَابَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَهِدْتُهُ، أَتَيْتُهُ بِمَا يَكُونُ، وَإِذَا غِبْتُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَهِدَ، أَتَانِي بِمَا يَكُونُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ......**"

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری ساتھی تھا دونوں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی مجلس میں حاضری کی باری لگا رکھی تھی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجلس میں شریک نہیں ہو پاتے تو وہ انصاری ساتھی نبی ﷺ کے ساتھ رہتا اور جو کچھ واقع ہوتا یا جو بھی احکام رسول اللہ ﷺ سے ملتے وہ جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتاتے اور جب یہ انصاری ساتھی نہیں ہوتے تو حضرت عمر ساتھ رہتے اور جو کچھ ہوتا بعد میں ان کو جا کر بتا دیتے جس میں احکام، معاملات اور عقائد

سب شامل ہیں" [صحیح البخاری:۵۸۴۳]

اسی طرح تحویل قبلہ کا معاملہ دیکھ لیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

" بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلاةِ الصُّبْحِ ، إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوهَا. وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّأْمِ فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ"

"لوگ قباء میں فجر کی نماز میں تھے کہ ایک گزرنے والا کہتا ہے: سنو! رات میں نبی ﷺ پر قرآن یعنی آیت نازل ہوئی ہے اور آپ علیہ السلام کو کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے (یہ سننا تھا کہ) سب نے اپنا قبلہ بدل لیا ابھی تک ان کے چہرے شام کی طرف تھے اب ان کی پیٹھ شام کی طرف ہوگئی اور وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے"

[صحیح البخاری:۷۲۵۱]

یہ اور اس طرح کے دیگر واقعات اس بات پر دال ہیں کہ اخبار آحاد خواہ ان کا تعلق احکام سے یا عقائد سے ہو وہ حجت ہیں اور اس مسئلے پر صحابہ کرام میں کوئی اختلاف نہیں اور اس سے قبل کے موضوعات میں جو واقعات صحابہ کرام سے عدم قبولیت کے تھے ان پر تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے کہ ان کا توقف اس لیے نہیں تھا کہ وہ اخبار آحاد ہیں کیونکہ اس طرح کی تفریق یا یہ اصطلاح ان کے زمانے میں نہیں تھی بلکہ کسی امر خارجی کی وجہ سے تھا جس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

مزید تفصیلات کے لیے رجوع کریں مراجع کی طرف، جو نیچے دیے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اتباع سنت، اقتداء سلف صالحین اور منہج سلف کی پیروی اور درست فہم اور حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مراجع ومصادر:

۱۔السنۃ ومکانتہا فی التشریع الإسلامی مصطفیٰ السباعی: ۸۲۔۸۹

۲۔الحدیث حجۃ بنفسہ فی العقائد والأحکام للشیخ الألبانی: ۴۹۔۷۰

۳۔خبر الواحد وحجیتہ أحمد بن محمود عبدالوہاب الشنقیطی: ۲۳۴۔۲۴۲

۴۔الرسالۃ للشافعی......۳۶۹

۵۔مکانۃ السنۃ فی التشریع الإسلامی ودحض مزاحم المنکرین والملحدین: ۱۵۳۔۱۶۷

☆☆☆

(تیسری قسط)

کتاب ’’چاردن قربانی‘‘ پراعتراضات کے جوابات

زبیر یحییٰ عالیاوی

اعتراض:

بلال صاحب نے بعض ائمہ سے نقل کیا ہے انہوں نے معاویہ الصدفی پر جرح کی ہے۔(چاردن قربانی:ص:۶۵،۶۶)

جواب:

دیگر ائمہ نے یہ بھی صراحت کردی ہے کہ ان پر جرح کا تعلق اس دور سے ہے جب یہ کتاب کے بجائے حافظہ سے روایت کرنے لگے تھے۔اور جب یہ کتاب سے روایت کرتے تھے تو ان کی حدیث صحیح ہوتی تھی۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ(م۳۸۵)فرماتے ہیں:

’’وإنما فسدت رواية الصدفي، لأنه غابت عنه كتبه، فحدث من حفظه، وسماع الهقل بن زياد، منه من كتابه، فلست ترى فيها خطأ، ولا مقلوبا‘‘

’’معاویہ صدفی کی روایت میں خرابی تب آئی جب ان کی کتب غائب ہوگئیں اور وہ حافظہ سے روایت کرنے لگے، اور ھقل بن زیاد نے ان سے جو احادیث سنی ہیں انہیں معاویہ الصدفی نے کتاب سے بیان کیا ہے اس لئے ان میں تم کوئی غلطی یا الٹ بات نہیں دیکھوگے‘‘ [تعليقات الدارقطني على المجروحين لابن حبان :ص:۲۵۷]

امام دارقطنی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ معاویہ الصدفی پر جرح کا تعلق اس دور سے ہے جب وہ کتاب کے بجائے حفظ سے روایت کرنے لگے تھے،اور اس سے پہلے چونکہ انہوں نے کتاب سے احادیث بیان کیا ہے اس لئے ان احادیث میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

اور چاردن قربانی والی روایت کو انہوں نے کتاب سے ہی بیان کیا ہے۔

امام زکریا بن یحییٰ الساجی رحمہ اللہ(م۳۰۷)فرماتے ہیں:

’’وكان اشترى كتابا للزهري من السوق، فروى عن الزهري‘‘

’’معاویہ الصدفی نے بازار سے امام زہری کی کتاب خریدی پھر امام زہری سے روایت کیا‘‘ [إكمال تهذيب الكمال لمغلطاي:۱۱/۲۷۸]

امام بخاری رحمہ اللہ(م۲۵۶)فرماتے ہیں:

" اشترى كتابا من السوق للزهرى، فجعل يرويه عن الزهرى"

''معاویہ صدفی نے بازار سے امام زہری کی کتاب خریدی اوراس کے ذریعہ امام زہری سے روایت کرنے لگے''

[الضعفاء للبخاری :ص:۱۲۷]

اورمعاویہ الصدفی نے زہری کی کتاب سے جوروایات بیان کی ہیں وہ صحیح ہیں، جیسا کہ امام دارقطنی کے سابقہ قول سے معلوم ہوتا ہے۔

اورامام دارقطنی نے یہ بھی صراحت کردی ہے کہ معاویہ الصدفی نے''رے''میں حفظ سے بیان کیا تھا،امام دارقطنی کہتے ہیں:

''معاوية الصدفي ضعيف، حدثهم بالرى بأحاديث من حفظه، وهم فيها على الزهرى.وأما روايته عن الزهرى، فهى من غير طريق إسحاق مستقيمة، يشبه أن يكون من كتابه''

'' معاویہ الصدفی ضعیف ہے،اس نے''رے''میں لوگوں کواپنے حفظ سے احادیث بیان کی ہے جس میں زہری پر وہم کا شکار ہوااوراس کی زہری سے دیگر روایات جواسحاق کے طریق سے نہیں ہیں، وہ مستقیم (صحیح) ہیں، یہ احادیث اس کی کتاب سے ہی روایت کردہ ہوسکتی ہیں'' [العلل للدارقطنی:۹۵/۶]

یہی بات امام ابوزرعہ رازی (م۲۶۴) نے بھی کہی ہے۔فرماتے ہیں:

" ليس بقوى ، أحاديثه كلها مقلوبة، ما حدث بالرى، والذى حدث بالشام أحسن حالا"

''معاویہ صدفی قوی نہیں ہے،''رے''میں اس کی بیان کردہ ساری احادیث مقلوب ہیں اور جواحادیث اس نے شام میں بیان کی ہیں،وہ اچھی ہیں'' [الجرح والتعديل:۳۸۳/۸،وسنده صحيح]

یہی بات امام ابن حبان رحمہ اللہ (م۳۵۴) نے بھی کہی ہے۔فرماتے ہیں:

" فجاء رواية الراوين عنه إسحاق بن سليمان وذويه كأنها مقلوبة وفى رواية الشاميين عند الهقل بن زياد وغيره أشياء مستقيمة تشبه حديث الثقات"

''''رے'' کے رواۃ اسحاق بن سلیمان وغیرہ کی ان سے روایات مقلوب ہیں،اورشام کے ھقل بن زیاد وغیرہ کی ان سے روایات مستقیم (صحیح) ہیں، یہ ثقات کی حدیث کی طرح ہیں'' [المجروحين لابن حبان:۳/۳]

محدثین کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ معاویہ صدفی نے شام میں جواحادیث بیان کی ہیں اوران کے شامی تلامذہ نے ان سے جواحادیث روایت کی ہیں وہ مستقیم یعنی صحیح ہیں۔

اور چاردن قربانی والی یہ حدیث انہوں نے شام میں ہی بیان کی ہے کیونکہ اسے ان کے شامی شاگرد محمد بن شعیب

نے بیان کی ہے۔

اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کی کتاب ''غایۃ التحقیق'' کا صفحہ:۲۱ تا ۳۶ دیکھئے۔

ایک شبہ کا جواب:

مذکورہ محدثین کی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کے قول سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ الصدفی نے زہری کی کتاب سے جو روایات بیان کی ہیں وہ مستقیم یعنی صحیح ہیں۔

بلال صاحب دیگر محدثین کی تصریحات پر تو کچھ نہیں کہہ سکے البتہ صرف امام بخاری کے قول کے جواب میں بلال صاحب نے شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ سے ایک وضاحت نقل کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ علی الاطلاق یہ سمجھنا غلط ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے زہری سے معاویہ کی ساری احادیث کو مستقیم کہا ہے۔(چار دن قربانی:ص:۶۸)

اب کوئی بلال صاحب سے پوچھے کہ زہری سے معاویہ کی ساری احادیث کو علی الاطلاق کس نے صحیح کہا ہے؟ کیا شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے ایسا کہا ہے؟

بلال صاحب نے امام بخاری کے قول کے ساتھ خود ہی شیخ سنابلی حفظہ اللہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

امام بخاری کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ معاویہ الصدفی نے زہری کی کتاب سے جو روایات بیان کی ہیں، وہ بالکل صحیح ہیں۔دیکھیں:(چار دن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں ص:۱۰۹)(چار دن قربانی:ص:۶۷)

یہاں شیخ سنابلی حفظہ اللہ واضح طور پر لکھ رہے ہیں کہ معاویہ الصدفی نے زہری کی کتاب سے جو روایات بیان کی ہیں، وہ بالکل صحیح ہیں، نہ یہ کہ زہری سے معاویہ کی ساری روایات صحیح ہیں۔

بلکہ اس قول کے فوراً بعد شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے خود لکھا ہے کہ زہری سے معاویہ صدفی کی وہ روایات صحیح نہیں ہیں جو انہوں نے کتاب سے نقل نہیں کیا بلکہ حفظ سے روایت کیا ہے، شیخ سنابلی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

واضح رہے کہ معاویہ الصدفی زہری کی کتاب سے روایت بیان کرتے تھے لیکن جب بعد میں ان کے پاس سے زہری کی کتاب ضائع ہوگئی تو انہوں اپنے حافظہ سے بھی زہری کی بعض روایات بیان کی ہیں اور ان میں غلطی کی ہے۔

(چار دن قربانی کی مشروعت کتاب وسنت کی روشنی میں:ص:۱۰۹)

صرف یہی نہیں بلکہ اگلے ہی صفحہ پر شیخ سنابلی نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کا وہ قول نقل کیا جس میں انہوں نے زہری سے معاویہ صدفی کی ان روایت کو ضعیف کہا ہے جن کو انہوں نے ''رے'' میں بیان کیا ہے، شیخ سنابلی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵) نے کہا:

”معاوية الصدفی ضعيف، حدثهم بالری بأحاديث من حفظه، وهم فيها علی الزهری. وأما روايته عن الزهری، فهی من غير طريق إسحاق مستقيمة، يشبه أن يكون من كتابه“

”معاویہ الصدفی ضعیف ہیں،”رے“ کے لوگوں کوانہوں نے اپنے حافظہ سے احادیث بیان کی ہیں اوراس میں زہری کی احادیث میں وہم کے شکار ہوئے ،لیکن زہری سے انہوں نے اسحاق (بن سلیمان رازی) کے طریق کے علاوہ جواحادیث بیان کی ہیں وہ مستقیم (صحیح) ہیں،گویا کہ یہ احادیث کتاب سے بیان کی ہیں“ [العلل للدارقطني، ت محفوظ السلفي:٦/٩٥] (چاردن قربانی کتاب وسنت کی روشنی میں :ص:۱۱۰،۱۱۱)

شیخ سنابلی کا پورا کلام آپ کے سامنے ہے یہاں انہوں نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ زہری سے معاویہ کی ساری احادیث صحیح ہیں،اور نہ امام بخاری کے کسی قول سے ایسا استدلال کیا، بلکہ کئی جگہ صراحت کے ساتھ زہری سے معاویہ صدفی کی بعض روایات کوغلط کہا ہے،اور امام دارقطنی سے بھی ایسا ہی نقل کیا۔

آ گے امام بخاری کے الفاظ اور شیخ اثری حفظہ اللہ کے الفاظ بھی دیکھتے چلیں تا کہ بات پوری طرح سے واضح ہوجائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”روی عنه هقل بن زياد أحاديث مستقيمة كأنها من كتاب ، روی عنه عيسیٰ بن يونس وإسحاق بن سليمان أحاديث مناكير كأنها من حفظه“

”معاویہ الصدفی سے ھقل بن زیاد نے مستقیم (صحیح)احادیث روایت کی ہیں گویا کہ یہ کتاب سے ہیں،اوران (معاویہ الصدفی) سے عیسیٰ بن یونس اور اسحاق بن سلیمان نے مناکیر احادیث روایت کی ہیں گویا کہ انہیں معاویہ الصدفی نے حفظ سے بیان کیا ہے“ [التاريخ الكبير للبخاري، ط العثمانية:٣٣٦/٧]

اس قول سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ الصدفی نے زہری سے جو روایات کتاب سے بیان کی ہیں وہ صحیح ہیں،اور جو حفظ سے بیان کی ہیں وہ منکر ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے اسی قول کو بعض نے اس طرح نقل کیا ہے:

وَقَال البُخارِیُ: ”أحاديثه عَن الزُهرِیّ مستقيمة كأنها من كتاب“

امام بخاری نے کہا: ”معاویہ کی زہری سے روایات مستقیم ہیں گویا وہ کتاب سے ہیں“ [الكمال للمقدسي: ٨/ ٤٣٥،تهذيب الكمال :٢٨/٢٢٢ وغيره]

امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب والے الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے اس قول کو اسی بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہاں

معاویہ الصدفی کی وہی روایات مراد ہیں جو انہوں نے کتاب سے نقل کی ہیں۔

لیکن اگر اس قول کا یہ معنی لیا جائے کہ زہری سے معاویہ صدفی کی ساری روایات علی الاطلاق صحیح ہیں، تو اس مفہوم کے ساتھ یہ قول غلط ہے، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ مقصود نہیں ہے جیسا کہ ان کی کتاب کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے ضوابط الجرح میں یہ وضاحت کی ہے کہ:

ایک اور مثال معاویہ بن یحییٰ الصدفی کے بارے میں ہے، چنانچہ ''میزان الاعتدال'' میں یہ بات موجود ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''**أحاديثه عَن الزُهرِيّ مستقيمة كأنها من كتاب**''، اور یہی الفاظ علامہ ہیثمی نے نقل کئے ہیں، اور یہ حافظ ذہبی کے شاگرد ہیں اور انہی پر اعتبار کرتے ہیں۔ جبکہ امام بخاری نے ''**التاريخ الكبير**'' میں کہا ہے: **روى عن الزهري وروى عنه حقل بن زياد احاديث مستقيمة كانها من كتاب**، یہ زہری سے روایت کرتا ہے اور حقل بن زیاد اس (معاویہ بن یحییٰ الصدفی) سے روایت کرتا ہے، اور حقل بن زیاد کی اس سے روایتیں مستقیمہ ہیں۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حقل کی روایتیں معاویہ سے مستقیم ہیں، لیکن یہاں علی الاطلاق یہ سمجھ لیا گیا کہ وہ (معاویہ بن یحییٰ الصدفی) جو زہری سے روایت کرتے ہیں، وہ احادیث مستقیمہ ہیں۔

[ضوابط الجرح :ص: ۱۱۱] (حقل کتابت کی غلطی ہے، صحیح هقل ہے)

اگر امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول قول ''**أحاديثه عَن الزُهرِيّ مستقيمة كأنها من كتاب**'' کا یہ مفہوم لیا جائے کہ زہری سے معاویہ صدفی کی ساری روایات علی الاطلاق مستقیم ہیں تو یقیناً یہ غلط ہے، جیسا کہ شیخ اثری حفظہ اللہ نے واضح کیا ہے۔

استاد محترم شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے امام بخاری کے مذکورہ قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا ہے، کہ زہری سے معاویہ کی ساری احادیث صحیح ہیں، جیسا کہ اوپر ان کے کئی اقتباسات نقل کئے جا چکے ہیں بلکہ انہوں نے امام بخاری کی کتاب کے الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے اسے صرف ان روایات پر محمول کیا ہے جن کو معاویہ الصدفی نے کتاب سے روایت کیا ہے۔

دراصل شیخ اثری حفظہ اللہ کو امام بخاری سے منقول قول ''**أحاديثه عَن الزُهرِيّ مستقيمة كأنها من كتاب**'' کے ثبوت پر تحفظ ہے کیونکہ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زہری سے معاویہ کی احادیث علی الاطلاق صحیح ہیں اور امام بخاری کی اپنی کتاب کے الفاظ اس سے الگ ہیں جن سے یہ معنی نہیں نکل سکتا۔ اس لئے شیخ اثری حفظہ اللہ نے یہ بتانا چاہا ہے کہ ''میزان'' وغیرہ جیسی کتب میں منقول کو اصل مراجع سے دیکھ لینا چاہیے۔

لیکن شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے اس قول کو اس لئے ثابت مانا ہے کہ یہ صرف ''میزان'' میں ہی نہیں بلکہ کئی کتب میں

ایسے منقول ہے حتی کہ ”الکمال للمقدسی“ میں بھی اسی طرح موجود ہے، نیز ابن عدی نے بھی اپنی سند سے بھی اسے روایت کیا ہے، لیکن شیخ سنابلی حفظہ اللہ نے اسے ثابت ماننے کے بعد اس کا وہ مفہوم مراد نہیں لیا جس کی شیخ اثری حفظہ اللہ تردید کررہے ہیں، بلکہ اسی مفہوم کو مراد لیا ہے جو مفہوم امام بخاری کی کتاب والے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

بلال صاحب نے شیخ اثری حفظہ اللہ کی کتاب ”توضیح الکلام“ سے اس ضمن میں جو کچھ نقل کیا ہے، وہاں بات ہی الگ ہے، وہاں تو شیخ اثری حفظہ اللہ کو امام بخاری سے منقول قول میں مستقیمہ کے لفظ پر ہی تحفظ ہے اور وہ اسے مشتبہ بتارہے ہیں کیونکہ ابن عدی کی کتاب میں ایسے ہی ہے، بلکہ شیخ اثری حفظہ اللہ نے امام بخاری کی کتاب میں بھی مشتبہ ہی کے لفظ کا حوالہ دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

حالانکہ الکامل لابن عدی (ج:۶،ص:۲۳۹۵) میں احادیث مشتبہ کے الفاظ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ التاریخ الکبیر (ص:۳۳۶، ج:۴، ق:۱)، الضعفاء الصغیر:۲۷۶) بھی دیکھ لیجئے جہاں ”روی عنہ ھقل احادیث مشتبہ“ کے الفاظ ہیں۔ [توضیح الکلام: ص:۳۳۵]

لیکن شیخ اثری کی یہ کتاب ”ضوابط الجرح“ سے پہلے کی ہے اور ”ضوابط الجرح“ میں شیخ اثری حفظہ اللہ نے مستقیمہ کے لفظ ہی کو ثابت مانا ہے۔ لہٰذا یہ حوالہ کالعدم ہے۔

مزید برآں اگر یہ فرض بھی کرلیں کہ اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ کے قول سے استدلال درست نہیں ہے تو بھی یہی بات امام دارقطنی، امام ابن حبان اور امام ابوزرعہ کے اقوال سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ اور یہاں اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اعتراض:

بلال صاحب علامہ معلّمی کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”**ھالک کان یشتری الصحف فیحدث بما فیھا غیر مبالٍ أسمع أم لم یسمع**“ [النکت الجیاد: ۶۰۰/۱]

”سخت ضعیف ہے، یہ صحیفے خرید کر ان میں جو ہوتا بیان کردیتا بغیر پرواہ کئے کہ اس نے سنا ہے یا نہیں“ (چار دن قربانی: ص:۶۹)

جواب:

”**النکت الجیاد المنتخبة من کلام شیخ النقاد یه**“ علامہ معلّمی رحمہ اللہ کی کتاب نہیں ہے، اور اس سیاق

کے ساتھ علامہ معلّمی رحمہ اللہ کا ایسا کلام ان کی کسی بھی کتاب میں موجود نہیں ہے۔

علامہ معلّمی رحمہ اللہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

” ولبقية شيخان أحدهما معاوية ابن يحيى الصدفى هالک، والآخر معاوية بن يحيى الأطرابلسى ذهب الأكثر إلى أنه أحسن حالا من الصدفى ووثقه بعضهم، وعكس الدارقطنى وذكر أن مناكيره أكثر من مناكير الصدفى -وأيهما الواقع فى السند؟ ذهب جماعة إلى أنه الأطرابلسى لأنه قد عرف له الرواية عن أبى الزناد، وذهب آخرون الى أنه الصدفى لأن هذا الخبر أليق به، ولأنه قد عاصر أبا الزناد فلا مانع أن يكون اجتمع به، وأوضح ذالک أنه كان يشترى الصحف فيحدث بما فيها غير مبال أسمع أم لم يسمع. ويقوى هذا أن بقية مدلس، ولا يجهل أن الأطرابلسى عند الناس احسن حالا من الصدفى فلو كان شيخه فى هذ الخبير هو الاطرابلسى لصرح به“

”بقیّہ کے دو شیخ ہیں، ایک معایہ بن یحیٰی الصدفی ہے، یہ ہالک ہے، اور دوسرا معاویہ بن یحیٰی الاطرابلسی ہے، اکثر اہل علم اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اس کی حالت صدفی سے بہتر ہے اور دارقطنی نے اس کے برعکس بات کہی ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ اطرابلسی کی مناکیر صدفی کی مناکیر سے زیادہ ہیں، اس سند میں ان دونوں میں سے کون واقع ہے؟ تو ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہاں اطرابلسی ہے کیونکہ ابوالزناد سے اس کی روایت معروف ہے، اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہاں الصدفی ہے، کیونکہ یہ روایت اسی کے لائق ہے، نیز وہ ابوالزناد کا معاصر ہے اس لئے بعید نہیں کہ اس کے ساتھ اکٹھا ہوا ہو، اور اس چیز سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ یہ صحیفے خریدتا تھا پھر اس کی احادیث روایت کرتا تھا بغیر اس کی پرواہ کئے کہ اس سے سنا ہے یا نہیں سنا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بقیہ مدلس ہے اور وہ اس سے لاعلم نہیں کہ اطرابلسی کی حالت لوگوں کے یہاں صدفی سے بہتر ہے، تو اگر اس سند میں اس کا شیخ اطرابلسی ہی ہوتا تو وہ اس کی صراحت کردیتا“ [الفوائد المجموعة بتحقيق المعلمى:ص:۲۲۴، ۲۲۵ حاشیہ ۲:]

یہاں نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ علامہ معلّمی رحمہ اللہ نے شروع عبارت میں معاویہ صدفی کا ذکر کرکے اس پر جرح کرتے ہوئے اسے ھالک کہا ہے، اس کے بعد انہوں نے دوسرے راوی پر گفتگو شروع کردی ہے۔

اس کے بعد آگے چل کر سند میں معاویہ صدفی کے تعین پر دلائل دیئے اور اسی ضمن میں کہا کہ:

”وأوضح ذالک أنه كان يشترى الصحف فيحدث بما فيها غير مبال أسمع أم لم يسمع.

ويقوى هذا أن بقية مدلس، ولا يجهل أن الأطرابلسى عند الناس احسن حالا من الصدفى فلو كان شيخه فى هذ الخبير هو الاطرابلسى لصرح به"

''اوراس چیز سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ یہ صحیفے خریدتا تھا پھر اس کی احادیث روایت کرتا تھا بغیر اس کی پرواہ کئے کہ اس سے سنا ہے یا نہیں سنا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بقیہ مدلس ہے اور وہ اس سے لاعلم نہیں کہ اطرابلسی کی حالت لوگوں کے یہاں صدفی سے بہتر ہے، تو اگر اس سند میں اس کا شیخ اطرابلسی ہی ہوتا تو وہ اس کی صراحت کر دیتا''

اس سے ثابت ہوا کہ علامہ معلّمی رحمہ اللہ کی اس دوسری بات کا ھالک سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہاں علامہ معلّمی نے اس کا یہ وصف بتایا ہے کہ وہ صحیفے سے مسموع اور غیر مسموع دونوں روایات بیان کرتا تھا۔ اور صحیفے سے مسموع اور غیر مسموع روایت بیان کرنا موجب جرح نہیں ہے۔ کتب ستہ کے ثقہ وحافظ راوی ابوالزبیر رحمہ اللہ بھی جابر رضی اللہ عنہ کے صحیفے سے مسموع اور غیر مسموع روایت بیان کرتے تھے۔ [الضعفاء للعقيلي: ۳۸۲/۵، وسنده صحيح]

لیکن اس عمل کے سبب کسی نے بھی ان پر جرح نہیں کی ہے۔

بلال صاحب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے صحیفہ سے متعلق کلام کو ھالک سے جوڑ کر اس لئے نقل کیا تاکہ یہ تأثر جائے کہ صحیفہ سے روایت ہی کی بناء پر علامہ معلّمی نے اسے ھالک کہا ہے جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ معلّمی رحمہ اللہ کی اصل کتاب کے حوالے سے انہوں نے علامہ معلّمی کا کلام نقل نہیں کیا کیونکہ اس سے وہ تأثر نہیں جاتا جو وہ دینا چاہتے تھے۔

علامہ معلّمی رحمہ اللہ کے اصل کلام کو دیکھنے سے واضح ہو گیا کہ انہوں نے اس راوی کا درجہ بتاتے ہوئے اسے مجروح قرار دیا ہے، اور اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہے، لیکن یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ ان پر جرح کا تعلق حفظ سے ان کی بیان کردہ احادیث سے ہے، نہ کہ کتاب اور صحیفہ سے روایت کردہ احادیث سے۔

اور علامہ معلّمی رحمہ اللہ نے آگے چل کر اس کا یہ وصف بتایا ہے کہ یہ صحیفے سے مسموع وغیر مسموع احادیث بیان کرتے تھے، اور اس سے روایت کے ثبوت پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ کتاب سے روایت جائز ہے۔

حافظ زبیر علی زئی صاحب بعض الناس کا یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ:

حافظ ابن حجر اور حافظ ابن حبان کے درمیان سند موجود نہیں ہے۔

اس کے بعد اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

عرض ہے کہ یہ کتاب سے روایت ہے اور کتاب سے روایت اصول حدیث کی رو سے جائز ہے۔[مقالات: ج: ۳، ص:۱۳۷]

بلال صاحب اخیر میں لکھتے ہیں:

بالفرض یہ مان بھی لیں کہ معاویہ بن یحیٰی الصدفی کی شام والی روایات مستقیمہ ہیں تو بھی یہ من گھڑت ومنکر روایت محدثین کی جرح کی وجہ سے مستثنیٰ ہوگی۔ (چاردن قربانی:ص:۶۹)

جواب:

اس حدیث کو کسی بھی محدث نے موضوع اور من گھڑت نہیں کہا ہے۔

امام ابوحاتم نے ایک جگہ اجمال کے ساتھ موضوع کہا تو دوسری جگہ صراحت کردی ہے کہ اس سے ان کی مراد اس کی یہ سند ہے۔امام ابوحاتم کے الفاظ ہیں:

" **هذا حديث كذب بهذا الإسناد** "''یہ حدیث اس سند کے ساتھ جھوٹی ہے''[علل الحديث لابن أبي حاتم :۲٦٦/۳]

اور امام ابوحاتم کا اس سند پر جرح اس لئے مقبول نہیں ہے کیونکہ یہ سند کتاب سے روایت والی ہے اور امام دارقطنی، امام ابن حبان وغیرہ نے اس سند کو صحیح کہا ہے۔تفصیل پیش کردی گئی ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے امام ابوحاتم کے اس قول کو غلو قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

قلت:"وهذا من حديثه بالشام، فقدرواه عنه محمد بن شعيب، وهو ابن شابور الدمشقي، ولذلك فقد غلا أبو حاتم حين قال كما رواه ابنه في العلل :(۳۸/۲)هذا حديث موضوع عندي!والصواب عندي أنه لا ينزل عن درجة الحسن بالشواهد التي قبله، ولاسيما وقد قال به جمع من الصحابة كما في شرح مسلم للنووي، والمجموع له:۳۹۰/۸"

میں کہتا ہوں کہ:''معاویہ صدفی نے یہ حدیث شام میں بیان کی ہے، کیونکہ اسے ان کے شاگرد محمد بن شعیب نے بیان کیا ہے، یہ ابن شابور دمشقی ہیں، اس لئے ابوحاتم نے جب یہ کہا تو غلو کیا جسے ان کے بیٹے نے العلل (۳۸/۲) میں نقل کیا کہ یہ حدیث میرے نزدیک موضوع ہے، اور میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث پہلے مذکور شواہد کی روشنی میں حسن درجہ سے کم نہیں ہے، خاص طور سے جب صحابہ کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ نووی نے شرح مسلم اور مجموع (۳۹۰/۸) میں نقل کیا ہے''[سلسلة الأحاديث الصحيحة :٦٢١/٥]

اور باقی بعض اہل علم نے معاویہ بن یحییٰ صدفی پر جرح کو بنیاد بنا کر اسے ضعیف کہا ہے اور یہ بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ معاویہ صدفی پر جرح کا تعلق ان کی ان احادیث سے ہے جسے انہوں نے حافظے سے بیان کی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث صحیح وثابت ہے اس میں کوئی بھی علت قادحہ موجود نہیں ہے۔

حسن لغیرہ کا مسئلہ:

کئی اہل علم نے انفرادی طور پر اس حدیث کی سندوں کو ضعیف سمجھنے کے باوجود بھی اسے تعدد طرق کے سبب کم ازکم حسن لغیرہ تسلیم کیا ہے۔ چونکہ اس کی کئی سندیں صحیح لذاتہ یا کم ازکم حسن لذاتہ ہیں اس لئے حسن لغیرہ کے مسئلہ پر بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بحث ان لوگوں کے لئے ہے جو حسن لغیرہ کو حجت مانتے ہیں لیکن حافظ زبیر علی زئی صاحب اور ان کے پیروکار اسے سرے سے حجت ہی نہیں مانتے۔ اس لئے یہ لوگ اس بحث کے مخاطب نہیں ہیں، البتہ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اس کی جن سندوں کو ضعیف مانا ہے اور ان کے پیروکاران میں سے بعض سندوں کو سخت ضعیف بتانے پر مصر ہیں تو اس کے جواب میں الگ سے ایک مقالہ پیش کیا جائے گا۔

ایک غیر متعلق حدیث سے استدلال کا جائزہ:

ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے خاص ایک سال کے لئے یہ حکم دیا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زائد جمع نہ کریں۔

بلال صاحب نے اسے بھی پیش کر کے اسے تائیدی دلیل کہا ہے۔ یہ تائیدی دلیل کس عقل و منطق سے ہے اس کی موصوف نے کوئی وضاحت نہیں کی ہے۔

ایک عام فہم آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ زور زبردستی کا استدلال ہے، کیونکہ صرف تین دن قربانی کا گوشت جمع کرنے اور صرف تین دن قربانی کرنے میں سرے سے کوئی مناسبت ہے ہی نہیں۔

بلکہ اگر مناسب بات مان لی جائے تو اس سے چار دن سے بھی زیادہ قربانی کا ثبوت ملتا ہے، کیونکہ اگر کوئی تیسرے دن شام کو قربانی کرے تو آگے مزید تین دن تک قربانی کو گوشت جمع کر سکتا ہے، پھر اس حدیث سے تو چھ دن قربانی کا ثبوت مل گیا جسے یہ لوگ مانتے ہی نہیں۔

مزید برآں یہ کہ یہ حدیث منسوخ بھی ہو چکی ہے، اور اس کے منسوخ ہونے کا منکر کوئی نہیں ہے، اس لئے اگر صرف تین دن قربانی کا حکم بھی اس میں شامل تھا، تو یہ بھی منسوخ ہو چکا ہے اس لئے منسوخ حکم کو باقی رکھنا ہی باطل ہے۔

جاری ہے............

قسط نمبر:۱

خطبۂ غدیرِ خُم اور اہلِ بیت کے حقوق

حضرت مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ ﷺ نے آخری حج جو ''حجۃ الوداع'' کے نام سے بھی معروف ہے، دس ہجری میں کیا۔ اس سے قبل آخری رمضان المبارک ہی میں کچھ آثار نمایاں ہونے لگے تھے کہ شاید آئندہ آپ کی حیات طیبہ میں رمضان المبارک نہ آپائے کیوں کہ آخری رمضان المبارک میں خلافِ معمول جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے دوبار قرآن مجید کا دَور کیا۔

قربِ اجل کے اشارے:

☆ بلکہ نبی ﷺ نے اپنی لختِ جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُهُ بِالقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً، وَإِنَّهُ قَدْ عَارَضَنِي بِهِ العَامَ مَرَّتَيْنِ، وَلاَ أَرَى الأَجَلَ إِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ، فَاتَّقِي اللَّهَ وَاصْبِرِي''

''بے شک جبریل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا ایک بار دَور کرتے تھے، اس سال انہوں نے دوبار دَور کیا ہے اور میں یہی سمجھتا ہوں کہ میری موت قریب ہے، پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا'' [صحیح البخاری: رقم:۶۲۸۵، ۶۲۸۶، ۳۶۲۳، صحیح مسلم: ۲۴۵۰]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ سے ہر سال ایک بار قرآن مجید کا دَور کیا جاتا تھا، مگر جس سال آپ فوت ہوئے، اس میں دوبار دَور کیا۔ نبی ﷺ ہر سال دس دن اعتکاف کرتے تھے، پھر جس سال آپ فوت ہوئے اس سال بیس دن اعتکاف فرمایا'' [صحیح البخاری: ۴۹۹۸، ۲۰۴۴]

☆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یوم النحر پر میں نے رسول اللہ ﷺ کو اونٹنی پر دیکھا، آپ کنکریاں مار رہے تھے اور فرما رہے تھے:

''لِتَأْخُذُوا لِمَنَاسِكِكُمْ، فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هَذِهِ''

''اپنے حج کا طریقہ سیکھ لو۔ بے شک میں نہیں جانتا، شاید میں اپنے اس حج کے بعد حج نہ کرسکوں۔'' [صحیح مسلم، رقم: ۱۲۹۷]

سنن ابن ماجہ وغیرہ کے الفاظ ہیں:

’’لِتَأْخُذْ أُمَّتِي نُسُكَهَا، فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَلْقَاهُمْ بَعْدَ عَامِي هَذَا‘‘

’’میری امت کو چاہئے کہ اپنے حج کا طریقہ سیکھ لے۔ مجھے معلوم نہیں، شاید میں اس سال کے بعد ان سے (حج میں) ملاقات) کرسکوں۔‘‘ [سنن ابن ماجه ، رقم : ۳۰۲۳،صحیح]

☆حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منیٰ میں خطبہ ارشاد فرمایا:

’’وَوَدَّعَ النَّاسَ، فَقَالُوا: هٰذِهِ حَجَّةُ الْوَدَاعِ‘‘

’’اور لوگوں کو الوداع کہا۔اسی سے لوگ اس حج کو ’’حجۃ الوداع‘‘ کہنے لگے۔‘‘ [صحيح بخاری ، رقم : ۱۷۴۲]

لوگوں کو الوداع کہنے کا معنی یہ لیا گیا کہ نبی ﷺ نے خطبے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الوداعی وصیتیں کیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا۔اس سے انہوں نے ’’حجۃ الوداع‘‘ کا مفہوم سمجھا۔[فتح الباری : ۸/ ۱۰۷]

☆حجۃ الوداع ہی میں ۹ ذوالحجہ بروز جمعہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کرلیا۔‘‘ [المائدة :۳]

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ اپنی کتاب میں ایک آیت ایسی پڑھتے ہیں کہ اگر ہم یہودیوں کی کتاب میں یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید بنا لیتے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کون سی آیت؟ اس نے کہا: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اس دن اور جگہ کو جانتے ہیں جب یہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی۔آپ ﷺ عرفہ میں تھے اور جمعہ کا دن تھا۔ [صحيح بخاری رقم : ۴۵]

اس آیت میں ’’اکمال دین‘‘ اور ’’اتمام نعمت‘‘ کا ذکر ہے۔’’اتمام‘‘ بحسبِ اجزاء ہوتا ہے کہ اس کے تمام اجزاء مکمل ہیں، اب کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں۔دین نام کی چیز اس کے بعد اور کوئی نہیں اور مسلمان اس کے علاوہ کسی اور دین کے محتاج نہیں ہیں۔اور ’’اکمال‘‘ بحسبِ اوصاف ہوتا ہے کہ اس سے جو غرض و غایت مقصود تھی، وہ مکمل ہوگئی ہے یعنی اس دنیا میں دینِ اسلام بھیجنے کا جو مقصد تھا، وہ آج پورا ہوگیا ہے۔

☆اسی موقع پر، جیسا کہ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ منیٰ میں ایامِ تشریق کے وسط میں سورۃ النصر نازل ہوئی۔

[فتح الباري : ٨/ ٧٣٤،١٣٠، ابن كثير : ٧٢٨/٤ وغيره]

علامہ قرطبی رحمہ اللہ وغیرہ نے تو ذکر کیا ہے کہ اس سورت کا نام ''سورۃ التودیع'' بھی ہے۔ ''التودیع'' کے معنی ہیں: کسی کو رخصت کرنا۔ اس سورت میں چونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے قریب ہونے کا اشارہ ہے، اس لیے اس کا نام ''سورۃ التودیع'' بھی ہے۔ یہ آخری مکمل سورت ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ رحمہ اللہ سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ قرآن مجید کی آخری مکمل سورت کون سی نازل ہوئی؟ تو میں نے عرض کیا: ہاں ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ سب سے آخری سورت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا ہے۔'' [صحيح مسلم ، رقم : ٣٠٢٤، سنن نسائي ، فتح الباري : ٧٣٤/٨]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں شیوخ بدر کے ساتھ ساتھ عموماً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بلا لیتے تھے جس پر شیوخِ بدر ناگواری محسوس کرتے کہ ہماری اولاد کو تو نہیں بلایا جاتا، ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بلا لیتے ہیں! ایک روایت میں ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز شیوخِ بدر کی موجودگی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بلایا اور شیوخِ بدر سے پوچھا کہ سورۃ النصر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ چنانچہ بعض حضرات تو خاموش رہے اور بعض نے فرمایا کہ اس میں ہمارے لیے فتح ونصرت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے اور استغفار کرنے کا حکم ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہاری بھی یہی رائے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے اور آپ کو بتلایا گیا ہے کہ آپ کی اجل قریب ہے، اس لیے اپنے رب کی حمد کہیں اور بخشش طلب کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی یہی سمجھتا ہوں جو تم نے کہا ہے۔ [صحيح بخاري ، رقم : ٣٦٢٧،٤٢٩٤، ٤٤٣٠، ٤٩٦٩، ٤٩٧٠، ٦٩٧٠، نیز دیکھئے: فتح الباري : ٨/ ٧٣٥]

چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے کہ سجدے اور رکوع میں رسول اللہ ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھنے لگے تھے: ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي'' ''اے ہمارے اللہ! اے ہمارے رب! تو (ہر عیب سے) پاک ہے۔ ہم تیری تعریف اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اے اللہ! مجھے بخش دے۔'' [صحيح بخاري ، رقم : ٧٩٤، ٨١٧]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک روایت میں یہ ہے کہ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ نازل ہونے کے

بعد رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز نہیں پڑھی جس میں یہ نہ پڑھا ہو: ’’**سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِی**‘‘ [صحیح بخاری، رقم: ٤٩٦٧]

۱۳/ذوالحجہ ۱۰ھ: حج سے فارغ ہوئے تو بروز منگل ۱۳/ذوالحجہ ۱۰ھ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ زوال کے بعد کنکریاں مار کر منیٰ سے کوچ فرمایا اور وادیِ ابطح (خیف بنی کنانہ) میں فروکش ہوئے۔ اسی کو ’’وادیِ محصب‘‘ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں بنو کنانہ نے قریشِ مکہ کے ساتھ مل کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف بائیکاٹ کا معاہدہ کیا تھا۔ اس مقام پر آنحضرت ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی، پھر کچھ وقت آرام فرمایا اور اس کے بعد اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف وداع کے لیے گئے۔ [صحیح بخاری رقم: ۱۷۵٦]

صبح کی نماز حرمِ پاک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ادا کی، پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہو کر آپ ﷺ مدینہ طیبہ کی جانب چل پڑے۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ طواف کے بعد نبی ﷺ واپس وادیِ ابطح تشریف لے گئے۔ مگر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی انہوں نے کوئی دلیل ذکر نہیں کی۔ [البدایہ: ٥/ ٢٠٧]

۱۸/ذوالحجہ ۱۰ھ: چنانچہ مکہ مکرمہ سے نکل کر ۱۸/ذوالحجہ ۱۰ھ بروز اتوار رسول اللہ ﷺ ’’غدیرِ خم‘‘ کے مقام پر پہنچے یہ جگہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کے راستے پر واقع ہے جو جُحفَہ کے قریب ہے۔ [البدایہ ٥/٢٠٨]

غدیر خم جحفہ سے ۸ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں آنحضرت ﷺ نے عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں اہل بیت بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے۔

خطبے کا پس منظر: اس خطبے کا پس منظر یہ تھا کہ ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو گھڑ سواروں کا ایک لشکر جنوبی یمن میں قبیلہ مُذحِج کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ابتدائی طور پر قبیلہ مذحج نے مقابلہ کیا، مگر بالآخر اللہ تعالیٰ نے لشکر اسلام کو فتح و نصرت سے نوازا۔ قبیلے کے رؤساء نے اسلام قبول کیا اور اپنے صدقات و زکاۃ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ انہوں نے سارے مال کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ قرعہ اندازی سے رسول اللہ ﷺ کا خصوصی ’’خمس‘‘ علیحدہ کر دیا اور باقی مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ادھر آنحضرت ﷺ حج کے لیے مکہ مکرمہ آ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مقامِ قُتق پر پہنچے تو انہوں نے لشکر اور مالِ غنیمت کی ذمہ داری حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے سپرد کی اور خود پیش قدمی کر کے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے، تاکہ جلدی سے آنحضرت ﷺ سے جا ملیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ صدقے کے اونٹوں پر سواری سے روکتے تھے۔ مالِ غنیمت میں یمنی کپڑوں کے ڈھیر تھے۔ مجاہدین نے نئے امیر حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ انہیں دو دو چادریں عطا کردیں، انہوں نے ساتھیوں کی فرمائش پوری کردی۔

جب یہ لشکر مقام ''سدرہ'' سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے لگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان سے آملے، تاکہ لشکر کے پڑاؤ کا بندوبست کرسکیں۔ جب انہوں نے سب لوگوں کو دو دو نئی چادروں میں ملبوس دیکھا تو پہچان گئے کہ یہ تو ''خمس'' کی چادریں ہیں، وہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئے کہ میں نے تو ان کے مطالبے پر چادریں نہیں دی تھیں، مگر آپ نے دے دیں! چنانچہ مجاہدین سے وہ چادریں واپس لے لی گئیں۔ مجاہدین نے اس کا شکوہ آنحضرت ﷺ سے کیا۔

اُدھر حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ بھی مالِ غنیمت کے ایک معاملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئے، حتیٰ کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے لگا تھا۔ [بخاری مع الفتح : ۸/ ٦٦]

مسند امام احمد رحمہ اللہ میں ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں علی رضی اللہ عنہ سے اس قدر بغض رکھتا تھا کہ اس قدر بغض میں کسی سے نہیں رکھتا تھا اور میں قریش کے نوجوان سے محبت کرتا تھا اور میں اس سے محبت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کی وجہ سے کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو دریافت فرمایا: ''کیا تو علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس سے بغض نہ رکھو اور تم اس سے محبت کرو، تم اس سے زیادہ محبت کرو۔'' حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے بعد سب سے زیادہ میری محبت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ [البدایہ : ٥/ ١٠٤]

یہ تھے وہ اسباب جن کی بنا پر لشکرِ اسلام کے جاں نثاروں کے دلوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ شکوے پیدا ہوگئے تھے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ ظلم و زیادتی کی ہے اور بخل کا مظاہرہ کیا ہے۔ حالانکہ امر واقع یہی تھا، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف درست تھا، چنانچہ ۱۸/ ذوالحجہ کو غدیرِ خُم کے مقام پر عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جسے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، ہمیں وعظ و نصیحت سے نوازا۔ پھر فرمایا:

''أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ، أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ، فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ

وَرَغَّبَ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي."

"اے لوگو! میں بے شک انسان ہوں۔ قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اس کی دعوت قبول کرلوں۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں! ان دو میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، پس تم اللہ کی کتاب کو اختیار کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔" نبی ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کے لیے لوگوں کو اُبھارا اور انہیں رغبت دلائی، پھر فرمایا: "(دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں (یعنی اللہ سے ڈرتے رہنا اور میرے اہل بیت کا خیال رکھنا)۔" [صحيح مسلم، رقم: ۲٤۰۸/ ٦۲۲٥]

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

"كَأَنِّي قَدْ دُعِيتُ فَأَجَبْتُ، إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ، أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ: كِتَابَ اللّٰهِ، وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي، فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِي فِيهِمَا؟ فَإِنَّهُمَا لَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ" ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ مَوْلَايَ، وَأَنَا وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ: مَنْ كُنْتُ وَلِيُّهُ فَهٰذَا وَلِيُّهُ، اللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ"

"مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مجھے بلایا جارہا ہے تو میں نے ہاں کردی ہے۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں جن میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے، کتاب اللہ اور میری عزت میرے اہل بیت کا خیال رکھنا۔ دیکھنا کہ تم میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی، تاآنکہ یہ دونوں میرے پاس حوض پر آجائیں گے۔" پھر فرمایا: "میرا اللہ مولیٰ ہے اور میں ہر مومن کا دوست ہوں۔" پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: "میں جس کا دوست ہوں، یہ اسکا دوست ہے۔ اے اللہ! جو اس سے دوستی رکھے، اس سے تو بھی دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو تُو بھی اس سے دشمنی رکھ۔" [السنن الكبرىٰ للنسائي، رقم: ۸۰۹۲، المستدرك للحاكم: ۳/ ۱۰۹، مسند أحمد: ۱/ ۱۱۸، سلسلة أحاديث الصحيحة، رقم: ۱۷٥۰]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (البدایہ: ۵/۲۰۹، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: سلسلہ صحیحہ، رقم: ۱۷۵۰)

گویا حالات کے پس منظر میں آنحضرت ﷺ نے اہل بیت کے حقوق کی پاسداری اور ان سے مودّت واُخوت

قائم رکھنے کی تاکید فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی اور اُخوت رکھنے کا حکم فرمایا۔

یاد رہے کہ عرفات میں جو طویل خطبہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، اس میں بھی آپ ﷺ نے کتاب اللہ کے بارے میں فرمایا:

"وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابُ اللّٰهِ، "

"میں تم میں ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے، وہ اللہ کی کتاب ہے" [صحيح مسلم، رقم: ۱۲۱۸]

اس خطبے میں اور بھی نصیحتیں فرمائیں جن کا ذکر احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، مگر خطبۂ غدیرِ خُم میں کتاب اللہ کے ساتھ تمسک کے علاوہ اہلِ بیت کا پاس ولحاظ رکھنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی رکھنے کا جو حکم فرمایا تو اس کا سبب بجز اس کے اور کوئی نہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے اور یہی سبب حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ (۵/ ۲۰۸) میں ذکر فرمایا ہے، بلکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو آنحضرت ﷺ نے خطبے میں فرمایا:

"أَيُّهَا النَّاسُ، لَا تَشْكُوا عَلِيًّا"۔ "لوگو! علی کا شکوہ نہ کرو" [ابن هشام: ۲/ ۳۵۱]

نبی ﷺ کی مختلف مواقع پر نصیحتیں: یہی ایک موقع نہیں جہاں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نفرت ومخالفت کے دفاع میں خطبہ ارشاد فرمایا ہو، بلکہ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی آپ نے محسوس فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین یا کسی ایک صحابی کے بارے میں نفرت کے جراثیم جڑ پکڑ رہے ہیں تو اسی موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان فرمائے اور موقع کی مناسبت سے اگر ضرورت پڑی تو خطبہ ارشاد فرمایا۔

(۱)۔۔۔ چنانچہ ایک موقع پر کسی یہودی کی شرارت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے معروف قبائل اوس اور خزرج میں پرانی دشمنی بھڑک اُٹھی تو آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا:

"اللّٰهَ اللّٰهَ، أَبِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ بَعْدَ أَنْ هَدَاكُمُ اللّٰهُ لِلْإِسْلَامِ، وَأَكْرَمَكُمْ بِهِ، وَقَطَعَ بِهِ عَنْكُمْ أَمْرَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَاسْتَنْقَذَكُمْ بِهِ مِنَ الْكُفْرِ، وَأَلَّفَ بِهِ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ، "

"اللہ اللہ! میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کی پکار، وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت عطا فرمائی، اس کے ذریعے تمہیں عزت بخشی، اس کے ذریعے تم سے جاہلیت کا خاتمہ فرما دیا، تمہیں کفر سے نجات دی اور تمہارے

دلوں میں الفت ڈال دی!'' [ابن هشام : ۱/ ۵۵۵،ط : مطبعة مصطفى البابى]

(۲) ۔۔۔اسی طرح جب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے فتح مکہ کے موقع پر سخت کوتاہی ہوئی کہ انہوں نے اہلِ مکہ کو اس بارے میں خط لکھا، مگر وہ خط راستے ہی میں پکڑا گیا۔ یہ نہایت سنگین معاملہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ اس نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے خیانت کی ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کیا یہ اہلِ بدر میں سے نہیں ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر سے فرمایا ہے کہ جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہارے لیے جنت واجب کر دی ہے۔ [صحيح بخارى ، رقم : ۳۹۸۳،۳۰۰۷]

(۳) حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مابین شکر رنجی پیدا ہوگئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معذرت کی، مگر انہوں نے مجھے معاف نہ کیا۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! اللہ تمہیں معاف فرمائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تو تم نے میری تکذیب کی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری تصدیق کی اور اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ میری مدد کی:

''فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوا لِي صَاحِبِي مَرَّتَيْنِ''

''کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو چھوڑ سکتے ہو؟ یہ بات آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمائی۔'' [صحيح بخارى ، رقم : ، ٣٦٦١، ٤٦٤٠] (اس حوالے سے مزید دیکھئے سیرت انسائیکلوپیڈیا: ۱۰/ ۲۹۷،۲۹۸)

بالکل اسی طرح یمن سے واپسی پر جب لشکرِ اسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور ناراضگی کا اظہار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے شکوک کا ازالہ فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور اہلِ بیت سے محبت و مودّت کی تاکید فرمائی۔

خطبۂ غدیرِ خُم سے غلط استدلال: اس خطبے کو بنیاد بنا کر رافضی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل پر استدلال کرتے ہیں اور ۱۸/ ذوالحجہ کو عید غدیرِ خُم مناتے ہیں۔ حالانکہ اس خطبے میں نہ خلافتِ بلافصل کا کوئی ذکر ہے اور نہ اس بنیاد پر حضرت علی اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہ میں سے کسی نے اس دن کو بطور عید منایا ہے! علاوہ ازیں ۱۸/ ذوالحجہ کی فضیلت میں انہوں نے یہ روایت بھی بنا ڈالی کہ جو اس تاریخ کو روزہ رکھے گا، اس نے گویا ساٹھ ماہ کے روزے رکھے۔ حالانکہ یہ باطل اور من گھڑت روایت ہے۔ [البدايه : ۵/ ۲۱۴]

رافضی حضرات اس بارے میں اس انتہا پر ہیں کہ ان کے مطابق نہ صرف اس روز آیت ﴿اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِینَکُمْ ....الخ﴾ نازل ہوئی، بلکہ ﴿یَا أَیُّھَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ مِنْ رَبِّکَ﴾ بھی اسی روز نازل ہوئی۔

ان کا یہ دعویٰ اپنے مفروضات پر ہے، اس پر کوئی صحیح یا قابلِ اعتبار روایت کتبِ احادیث وتفاسیر میں سے کسی قابلِ اعتبار کتاب میں نہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے دونوں آیات کے حوالے سے ان روایات کو " سلسلة أحاديث الضعيفة والموضوعة " میں ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو رقم: ۴۹۲۲، ۴۹۲۳، ۴۹۳۲) اور انہیں موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ (جلد نمبر ۴) میں بھی اس پر مفصل نقد کیا ہے۔ مشہور مفسر قرآن مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ نے بھی ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں ﴿یَا أَیُّھَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ﴾ سے روافض کے استدلال کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ (شائقین ملاحظہ فرمائیں ہفت روزہ الاعتصام، جلد: ۷۱، شمارہ: ۲۵: ۲۶)، اس لیے ہم اس بارے میں مزید بحث مناسب نہیں سمجھتے۔

جاری ہے۔۔۔۔۔۔

بقیہ صفحہ......۴۵ کا۔ ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللَّهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ''

''تم دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ اللہ تم سے محبت کرنے لگیں گے، اور لوگوں کے پاس موجود چیزوں سے بے رغبت ہو جاؤ، لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے'' [ابن ماجه: ۴۱۰۲، صحيح]

دنیا سے بے رغبتی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان تمام اشیاء سے بے رغبت ہو جائے جن کا نفع صرف دنیا تک ہی محدود ہے، آخرت میں ان کا کوئی فائدہ نہیں۔

لہٰذا دنیا والو! اس دنیا کے پیچھے بہت نا پڑو، بقدر کفاف اسے حاصل کرو، اسے اپنا ابدی وطن نہ سمجھو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر سوئے پھر اٹھے تو آپ کے پہلو پر اس کے نشانات پڑے ہوئے تھے تو ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم آپ کیلئے ایک بستر تیار کر دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''مَا لِي وَلِلدُّنْيَا، مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا''

''میرا دنیا سے کیا تعلق ہے میں تو دنیا میں ایک سوار (مسافر) کی طرح ہوں جو ایک درخت کے نیچے آرام کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر آگے کو چل دیتا ہے'' [ترمذی: ۲۳۷۷، صحيح]

موسم سرما میں شرعی سہولیات کے چند مظاہر

مامون رشید ہارون رشید سلفی

کائنات کے اندر موسموں کی تبدیلی اور سردی وگرمی کا باہمی تعاقب اللہ رب العالمین کی قدرت کاملہ اور ربوبیت تامہ کی دلیل ہے، یہ اللہ کی عظیم قدرت ہی کا مظہر ہے کہ اللہ نے سال میں دو موسم بنائے جن کا ذکر قرآن پاک کے سورہ قریش میں کچھ اس طرح وارد ہے:

﴿لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ،إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ﴾

(ہم نے ابرہہ اور اس کی فوج کے ساتھ جو کچھ کیا) ''قریش کو مانوس بنانے کے لئے کیا، انہیں جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس بنانے کے لئے کیا'' [قریش: ۱-۲] (تفسیر تیسیر الرحمٰن)

قرآن کریم میں لفظ ''شتاء'' (جاڑا) کا ذکر صرف ایک بار آیا ہے محققین کہتے ہیں کہ سال میں صرف دو موسم ہوتے ہیں ایک سردی دوسرا گرمی۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''الشتاء نصف السنة ، والصيف نصفها''

''جاڑا سال کا آدھا ہے اور گرمی آدھا'' [تفسیر القرطبی: ۲۰۷/۲۰]

جبکہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زمانے اور موسم کی چار قسمیں ہیں: ''جاڑا، گرمی، بہار اور خزاں''

امام ابن العربی اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''جو بات امام مالک رحمہ اللہ نے کہی ہے وہی صحیح ترین ہے کیونکہ اللہ رب العالمین نے زمانے کو دو ہی قسموں میں تقسیم کیا ہے کوئی تیسری قسم بیان نہیں کی ہے'' [احکام القرآن: ۴۵۱/۴]

اللہ کے رسول ﷺ نے ان موسموں کے کچھ باطنی اسباب بھی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''اشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ: رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ: نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ، فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الحَرِّ، وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ''

''جہنم نے اپنے رب کے حضور میں شکایت کی اور کہا کہ میرے رب! میرے ہی بعض حصے نے بعض کو کھالیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانسوں کی اجازت دی، ایک سانس جاڑے میں اور ایک گرمی میں۔ تم انتہائی گرمی اور انتہائی سردی جوان موسموں میں دیکھتے ہو، اس کا یہی سبب ہے‘‘ [بخاری: ۳۲۶۰، مسلم: ۱۴۰۱]

قارئین کرام! ابھی ہم جس موسم کا استقبال کر رہے ہیں وہ جاڑے کا موسم ہے اور اللہ کی قدرت سے جب اس کی ٹھنڈی میں شدت آ جاتی ہے تو کمزور یا بڑے بوڑھے اور بیمار قسم کے لوگوں کو بہت ساری پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، عبادات انجام دینے کے لیے پانی استعمال کرنے یا مسجد جانے یا اس طرح کے دیگر اعمال انجام دینے کی وجہ سے انہیں بیماری اور ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، لیکن چونکہ مذہب اسلام آسانی اور رحم دلی کا پیکر ہے اور اپنے متبعین کو ہر قسم کے اضرار و خطرات سے محفوظ رکھنے کا حل اپنے اندر رکھتا ہے اس لیے جاڑے کے موسم میں لوگوں کو پیش آنے والی پریشانیوں اور مشقتوں کا علاج بھی بعض آسانیوں اور سہولیات کی صورت میں امت مسلمہ کو عطا کر دیا ہے جن میں سے چند چیزوں کا ذکر اس تحریر کے اندر کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

اول: سخت ٹھنڈی کی وجہ سے گرم پانی سے وضو کا جواز:

شریعت اسلامیہ میں گرم پانی بھی عام پانیوں ہی کی طرح ہے جس میں طاہر و مطہر دونوں وصف موجود رہتا ہے، گرم ہونے کے باوجود اس کے وصف طہوریت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی گرچہ وہ اپنی اصل حقیقت وخلقت پر باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’گرم پانی من جملہ ان پانیوں میں سے ہے جن سے لوگوں کو طہارت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے...... اور (سلف صالحین میں سے) جن سے ہم نے گرم پانی سے وضو کا جواز نقل کیا ہے ان میں عمر بن خطاب، ابن عمر، ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں‘‘ [الأوسط لابن المنذر: ۱/۲۵۰]

لہذا خواہ ٹھنڈا پانی استعمال کرنے میں پریشانی ہو یا نہ ہو ہر حال میں گرم پانی سے وضو کرنا جائز ہے۔ لیکن کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر گرم پانی کے بجائے مشقت برداشت کرتے ہوئے ٹھنڈے پانی سے وضو کریں گے تو یہ افضل ہوگا اور اس سے زیادہ ثواب ملے گا۔ یہ سراسر غلط فہمی کا نتیجہ ہے اگر دونوں قسم کا پانی موجود ہو یا ٹھنڈے پانی کو گرم کیا جا سکتا ہو تو گرم پانی سے وضو کرنا ہی افضل ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کو جب بھی دو چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کے لیے کہا گیا تو آپ نے ہمیشہ اسی کو اختیار فرمایا جس میں آپ کو زیادہ آسانی معلوم ہوئی بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ [بخاری: ۳۵۶۰، مسلم: ۲۳۲۷]

لہذا سنت رسول پر عمل کرتے ہوئے سہولت اور آسانی کو ترجیح دینا ہی افضل ہے۔ البتہ اگر گرم پانی موجود نہ ہو یا

پانی گرم کرنے کے وسائل مہیا نہ ہوں تو ایسی صورت میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا بیش بہا فضائل کا حامل ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ”تین چیزیں گناہوں کو مٹانے والی ہیں، تین چیزیں درجات کو بلند کرنے والی ہیں، تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں، جہاں تک گناہوں کو مٹانے والی چیزوں کا تعلق ہے تو وہ سخت ٹھنڈی کی حالت میں قاعدے سے مکمل طور پر وضو کرنا ہے“ [صحيح الترغيب :٤٥٣،حسن لغيره]

دوم: سخت ٹھنڈی کی وجہ سے وضو یا غسل جنابت کے بدلے تیمّم سے طہارت حاصل کرنے اور نماز پڑھنے کا جواز:

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾

”اور اگر تم مریض ہو یا مسافر یا تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت سے فارغ ہوا ہو، یا پھر تم نے بیوی سے جماع کیا ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاکیزہ اور طاہر مٹی سے تیمّم کرلو“ [المائدة:٦]

اس آیت میں دلیل ہے کہ جو مریض شخص پانی استعمال نہ کرسکتا ہو یا پھر اسے غسل کرنے سے موت کا خدشہ ہو، یا مرض زیادہ ہونے کا، یا مرض سے شفایابی میں تاخیر ہونے کا، یا پھر شدید سردی میں پانی استعمال کرنے سے کسی کمزور وناتواں اور بوڑھے شخص کو بیمار ہونے یا بیماری میں مزید اضافہ ہونے کا خدشہ ہو اور پانی گرم کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو تو وہ تیمّم کرلے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

” غزوۂ ذات السلاسل میں شدید سرد رات میں مجھے احتلام ہوگیا اس لیے مجھے یہ خدشہ پیدا ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا اس لیے میں نے تیمّم کرکے اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھا دی، چنانچہ انہوں نے اس واقعہ کا نبی کریم ﷺ کے سامنے ذکر کیا تو رسول کریم ﷺ فرمانے لگے:

”اے عمرو کیا آپ نے جنابت کی حالت میں ہی اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی تھی؟

چنانچہ میں نے رسول کریم ﷺ کو غسل میں مانع چیز کا بتایا اور کہنے لگا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا ہے: ”اور تم اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرنے والا ہے“ [النساء :٢٩]

چنانچہ رسول کریم ﷺ مسکرانے لگے اور کچھ بھی نہ فرمایا۔ [سنن ابی داؤد :٣٣٤،وصححه الالبانی]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

” اس حدیث میں اس بات کا جواز پایا جاتا ہے کہ سردی وغیرہ کی بنا پر اگر پانی استعمال کرنے سے ہلاکت کا خدشہ

ہوتو تیمم کیا جاسکتا ہے، اوراسی طرح تیمّم کرنے والا شخص وضوکرنے والوں کی امامت بھی کرواسکتا ہے'' [فتح الباری: ۴۵۴/۱]

سوم: سخت ٹھنڈی کی وجہ سے موزوں، جرابوں، جوتوں، پگڑیوں اورعورتوں کے سروں پر بندھی چادروں پرمسح کا جواز:

موزوں پرمسح کرنا بالاجماع جائز ہے بلکہ یہ اہل سنت کے خصائص میں سے ہے کیونکہ شیعہ رافضی حضرات موزوں پرمسح نہیں کرتے ہیں، اورموزہ خواہ کسی بھی چیز سے بنا ہواوراس کی نوعیت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو جس پربھی (خف) موزہ کا اطلاق ہوتا ہے اس پرمسح کیا جائے گا، موٹا ہونا چاہیے یا چمڑے کا ہونا چاہیے یا اس طرح کی کوئی بھی شرط شریعت مطہرہ میں ثابت نہیں ہے۔

موزوں پرمسح کے دلائل احادیث نبویہ میں بالتواتر منقول ومروی ہیں جن میں سے بعض صحیحین اوربعض دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔

جرابوں (چمڑے کے علاوہ کپڑے وغیرہ سے بنا ہوا پیر کا لباس) اورجوتوں پرمسح کرنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ کے رسول نے وضوکیا تو موزوں اورجوتوں پرمسح کیا'' [ابو داؤد:۱۵۹، ترمذی:۹۹] [صححه الالبانی فی الارواء :ح:۱۰۱]

اسی طرح اوس بن ابی اوس ثقفی اورعبداللہ بن عمررضی اللہ عنہم سے بھی مرفوعاً اللہ کے رسول ﷺ کا جوتوں پرمسح کرنا ثابت ہے۔ملاحظہ فرمائیں: [سنن ابی داؤد: ۱۵۰، صحیح ابن خزیمه :۱۰۹ وصححهما الالبانی رحمه الله]

اورحضرت علی وابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً ایسا کرنا ثابت ہے۔ملاحظہ فرمائیں: [مصنف عبد الرزاق : ۷۸۳و ۷۸۴ وصححه الالبانی فی صحیح ابی داؤد:۱۵۶]

پگڑیوں پرمسح کی دلیل مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ''اللہ کے رسول ﷺ نے وضوکیا تو اپنی پیشانی پگڑی اورموزوں پرمسح کیا'' [بخاری:۱۸۲،مسلم:۲۷۴،واللفظ له]

موزوں جرابوں جوتوں اورپگڑیوں پرمسح عام حالات میں بھی جائز ہے اورجواز کی علت بندوں کو بار بار اتارنے اورپہننے کی مشقت سے بچانا ہے لہٰذا ٹھنڈی کے موسم میں جبکہ مشقت مزید بڑھ جاتی ہے ان چیزوں کا مسح بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔

چہارم: سخت ٹھنڈی کی وجہ سے گھروں میں نماز پڑھنے کا جواز:

نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں: کہ انہوں نے سردی، ہوا اور بارش والی ایک رات میں اذان دی اور اذان کے آخر میں کہا: ''سنو! اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو، سنو! گھروں میں نماز پڑھو، پھر کہا: جب سفر میں رات سرد یا بارش والی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ مؤذن کو یہ کہنے کا حکم دیتے ''أَلَا صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ'' ''سنو! اپنی قیام گاہوں میں نماز پڑھ لو'' [بخاری: ٦٣٢، مسلم: ١٦٠١]

اسی طرح حضرت نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ: ایک ٹھنڈی والے دن فجر کی اذان دی گئی اس حال میں کہ حضرت نعیم اپنی بیوی کے چادر میں تھے تو انہوں نے کہا کاش مؤذن کہتا کہ جو شخص گھر میں رہ جائے اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے تو اللہ کے رسول ﷺ کے مؤذن نے اذان کے اخیر میں کہا: ''من قعد فلا حرج'' ''کہ جو شخص گھر میں رہ جائے اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے'' [مصنف عبد الرزاق: ١٩٢٦، وصححه الالبانی فی الصحیحة: ٢٦٠٥]

ان دونوں حدیثوں سے پتا چلتا ہے کہ اگر سخت ٹھنڈی کی وجہ سے گھروں سے نکلنا مشکل ہو یا بیماری یا کسی بھی قسم کی مشقت کا اندیشہ ہو تو بجائے مسجد کے گھروں میں نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

امام نووی جماعت ترک کرنے کو جائز قرار دینے والے اعذار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''سخت ٹھنڈی عذر ہے خواہ رات میں ہو یا دن میں، اور سخت گرمی عذر ہے ظہر کی جماعت کے لیے اور برف باری بھی عذر ہے اگر اس سے کپڑا بھیگ جائے'' [المجموع: ٤/٩٩]

پنجم: سخت ٹھنڈی کی وجہ سے جمع بین الصلاتین کا جواز:

اگر جاڑے کی شدت کی وجہ سے بار بار مسجد میں جمع ہونا لوگوں کے لیے مشقت پریشانی اور حرج کا باعث ہو تو ایسی صورت میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازوں کو ایک ساتھ جمع کر کے ایک ہی وقت میں پڑھ لینا جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے ظہر، عصر اور مغرب، عشاء کو مدینہ میں کسی خوف اور بارش کے بغیر جمع کیا۔ وکیع کی روایت میں ہے (سعید نے) کہا: میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا: آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا: تاکہ اپنی امت کو دشواری میں مبتلا نہ کریں اور ابو معاویہ کی حدیث میں ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا: آپ ﷺ نے کیا چاہتے ہوئے ایسا کیا؟ انہوں نے کہا: آپ نے چاہا کہ اپنی امت کو دشواری میں نہ ڈالیں'' [صحیح مسلم: ١٦٣٢]

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بغیر کسی عذر کے ایسا کیا تھا اس وجہ سے بعض علماء بلا کسی معقول عذر کے بھی محض انسانی حاجات کی وجہ سے جمع بین الصلاتین جائز سمجھتے ہیں۔ جیسے ابن عباس ، ابن سیرین ، اشہب ، قفال ، شاشی ، ابو اسحاق مروزی اور امام ابن المنذر وغیرہم۔ لیکن راجح قول کے مطابق اگر کسی قسم کی پریشانی یا حرج میں واقع ہونے کا خدشہ ہو - جیسا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ آپ نے ایسا اس لیے کیا تا کہ اپنی امت کو دشواری میں نہ ڈالیں - تبھی جمع بین الصلاتین جائز بلکہ سنت و مستحب ہے۔

چونکہ سخت ٹھنڈی جس سے انسان کو ضرر لاحق ہونے کا خطرہ ہو عذر ہے لہٰذا اس کی وجہ سے بھی جمع بین الصلاتین جائز ہے۔ چنانچہ اس کا جواز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ ، شیخ ابن عثیمین ، شیخ عبید الجابری ، شیخ سلیمان الماجد اور شیخ ولید بن راشد السعیدان نے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: [مجموع الفتاویٰ : ۲۹/۲۴ موقع الشیخ ابن عثیمین ، موقع میراث الانبیاء ......]

ششم: سخت ٹھنڈی کی وجہ سے ہیٹر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا جواز:

آگ کے پرستار مجوسیوں کی مشابہت کی وجہ سے آگ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے لیکن گرمی حاصل کرنے کے لیے ہیٹر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔

ہفتم: منہ ڈھانپ کر نماز پڑھنے کا جواز:

حدیث کے اندر وارد ہے: ''اللہ کے رسول ﷺ نے نماز میں سدل کرنے اور منہ ڈھانپ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے'' [صحیح ابن حبان : ۲۳۵۳ ، سنن ابی داؤد : ٦٤٣ ، ترمذی : ۳۸۷ ، وصححه الالبانی]

جو لوگ اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں ان کے حساب سے عام حالات میں سدل کرنا اور منہ ڈھانپ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

سدل کہتے ہیں کسی کپڑے کو بدن پر ڈال کر اس کے دونوں اطراف کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا نہ جائے ......

لیکن شدید ٹھنڈی کی وجہ سے سے اگر کوئی شخص منہ ڈھانپ کر نماز پڑھتا ہے تو " **المشقة تجلب التيسير** " کے تحت یہ بھی جائز ہے۔

ان کے علاوہ بھی بہت ساری چیزیں ہیں لیکن طوالت کے خوف سے انہی کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کتاب و سنت کو صحیح سے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆

دنیا کی حقیقت اور انسانی خواہشات

محمد محبّ اللہ سیف الدین المحمدی

دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے زمین کی روئیدگی، آسمان سے پانی برستا ہے اور طرح طرح کی سبزیوں اور لالیوں سے زمین کا گوشہ گوشہ بہشت زار ہو جاتا ہے جس طرف نگاہ اٹھاؤ پھولوں کا حسن و جمال ہے یا دالوں اور پھلوں کا فیضان ونوال! لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ وہی کھیت جن کا ایک ایک درخت زندگی کا سرمایہ اور بخشش نوال کا کارخانہ تھا اچانک کس عالم میں نظر آنے لگتے ہیں؟ بھوسے کے ذرے جنہیں ہوا کے جھونکے اڑا کر منتشر کر دیتے ہیں نہ کوئی انہیں بچانا چاہتا ہے نہ وہ کسی مصرف کے ہوتے ہیں۔

قرآن مقدس میں دنیا کی حقیقت کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [یونس: ۲۴]

’’بے شک دنیاوی زندگی کی مثال اس پانی کی سی ہے جسے ہم آسمان سے بھیجتے ہیں جو زمین کے ان پودوں کے ساتھ مل جاتا ہے جنہیں لوگ اور چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین خوب بارونق اور خوبصورت بن جاتی ہے اور اس کے مالکان یقین کر لیتے ہیں کہ وہ اس سے مستفید ہونے پر پوری طرح قدرت رکھتے ہیں تو یک لخت ہمارا فیصلہ (بصورت عذاب) رات یا دن میں صادر ہو جاتا ہے اور ہم ان پودوں کو اس طرح کاٹ کر رکھ دیتے ہیں کہ جیسے وہ کل تھے ہی نہیں۔ ہم غور وفکر کرنے والوں کیلئے اپنی آیتیں اسی طرح تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں‘‘

﴿اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾

’’خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری آرائش اور تمہارا ایک دوسرے پر فخر جتانا اور

اموال واولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ اس سے پیدا ہونے والی نباتات کاشتکاروں کو خوش لگتی ہے پھر وہ پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے اور آخرت میں تو سخت عذاب ہے اور (یا پھر) اللہ کی مغفرت اور اس کی رضامندی ہے اور دنیا کی زندگی تو محض ایک سرمایہ فریب ہے‘‘۔[الحدید:۲۰]

﴿إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾

’’یہ حیات دنیا متاع فانی ہے یقین مانو کہ قرار اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے‘‘[المومن:۳۹]

﴿وَمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾

’’اور یہ دنیاوی زندگی لہو ولعب کے سوا کچھ نہیں ہے اور بیشک آخرت کا گھر ہمیشہ باقی رہنے والا ہے کاش کہ انہیں اس بات کا علم ہوتا‘‘[العنکبوت:٦٤]

﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾

’’اللہ تعالیٰ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور گھٹاتا ہے یہ تو دنیا کی زندگی میں مست ہوگئے حالانکہ دنیا آخرت کے مقابلے میں نہایت ہی حقیر پونجی ہے‘‘[الرعد:٢٦]

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾

’’اور اپنی نگاہیں ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا دے رکھی ہیں تاکہ انہیں اس میں آزمالیں، تمہارے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے‘‘[طٰہٰ:۱۳۱]

یہ ہے حقیقت اس زندگی کی جس کے بارے میں ہم یہ تک نہیں جانتے کہ وہ کہاں گزرے گی؟ کیسے گزرے گی؟ کب تک رہے گی؟ کتنا ہنسائے گی؟ کتنا غم دے گی؟ کتنی خوشیاں دے گی؟ ختم ہوگی تو کب ختم ہوگی؟ کہاں ختم ہوگی؟ خاتمہ اس کا دوستوں کے ساتھ قہقہہ لگاتے ہوئے ہوگا یا اسپتال میں کراہتے ہوئے؟ ہم اپنی خواہشات میں کچھ اس طرح ڈوب جاتے ہیں کہ ہم کو یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ ہم صحیح کررہے ہیں یا غلط۔ ہم غلط کرتے ہیں جانتے بوجھتے کرتے ہیں دل کو تو مطمئن نہیں کرپاتے ہاں دوسروں کو مطمئن کرنے کے لئے بیجا تاویلات کا سہارا ضرور لیتے ہیں، زندگی اور موت کا عجیب معاملہ ہے دونوں ایک دوسرے کی ضد لیکن دونوں ایک دوسرے کے لئے ناگزیر۔ زندگی ہے تو موت آئے گی موت کو آنا ہے تو زندگی ملے گی۔ جب یہ طے ہے تو موت سے اتنی غفلت کیوں اور زندگی پر ساری توجہ

کیوں؟ عقلمند ہے وہ شخص جس کو زندگی ملی تو اس نے موت کو یاد رکھا اور جس نے موت کو یاد رکھا وہی زندگی میں کامیاب رہا!

انسان کو اگر مرنے پر اختیار دیا جائے تو شاید ہی کوئی ایسا ہو جو موت کو قبول کرنے پر تیار ہو۔ انسان بستر مرگ پر ہے، تکلیفوں سے تڑپ رہا ہے، جسم ہے کہ جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے، کراہتے کراہتے بے دم ہو رہا ہے لیکن اگر موت کا فرشتہ اس سے پوچھے کہ کیا اس دنیا سے رخصت ہونے کی خواہش ہے تو وہ یہی کہے گا ''نہیں ہرگز نہیں''۔ انسان بچپن گزارتا ہے کھیل کود میں، جوانی چٹورپنی وکمانے میں، بڑھاپے گھر تا نکنے میں، پیسے کی ہوس ہے کہ کم نہیں ہوتی، گھر بناتا ہے تو بے گھر لوگوں کو سوچتا نہیں، گھر کیا بناتا ہے محل بناتا ہے غریبوں کے جھوپڑے اجاڑ کر اوران کے حصے کی زمین ناجائز طریقے سے دبا کر۔ وہ بارات لے کر نکلتا ہے پیسوں کو دھوئیں کی شکل میں اڑاتا ہوا، دوسروں کے جذبات کو اپنی انا کے ہاتھی سے کچلتا ہوا۔ راستے میں کتنے ایسے گھر پڑتے ہیں جہاں جوان بیٹیاں اپنی بارات کے انتظار میں کب سے بیٹھی ہیں ان کے بوڑھے ماں باپ دھوم دھام سے نکلتی باراتوں کے اس شوروغل میں۔ اپنی بیٹیوں کے چہرہ پر مایوسی کا سایہ دیکھ کر آہستہ آہستہ قبرستان کی طرف اپنے قدم بڑھادیتے ہیں (یہ ہے آج کے مسلمانوں کی داستانِ خواہشات۔)

انسان کو صرف اپنی خواہشات کی فکر ہوتی ہے، دنیاوی لذتیں اس کے پیش نظر ہوتی ہیں، اس کا دل ہر وقت یہ چاہتا ہے کہ کاش موت ٹل جائے، کاش اَجل سے چھٹکارا مل جائے، اللہ نے یہ زندگی ایک مقررہ وقت کے لئے دی ہے اور یہ عقل کے موافق بات ہے کیوں کہ اگر یہ موت نہ ہوتی تو انسان دنیا میں فرعون بن جاتا، یہ موت اس کو انسان بناتی ہے اور دنیا میں یہی ایک موت ہے جو ہر کسی کو لپکتی ہے، یہ کسی کو نہیں چھوڑتی ہے، اس کی کسی سے دوستی نہیں، اس کا کسی سے کوئی تعلق نہیں، کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی، یہ اپنا راستہ خود بناتی ہے، اپنا طریقہ خود منتخب کرتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو فرعون کو موت نہ آتی، ہامان نہیں مرتا، شداد اپنی جنت کے مزے میں ہوتا، یہ موت سب کو پکڑتی ہے البتہ کسی کی موت عزت سے ہوتی ہے اور کسی کی ذلت سے۔

زندگی کیسی گزاری جائے، دنیا میں کیسے رہا جائے، خواہشات پر قابو کیسے پایا جائے، مچلتے نفس کو کیسے منایا جائے۔ دیکھئے نبی اکرم ﷺ نے کتنی عمدہ بات کہی اور کتنے اختصار سے کہی۔

''کُنْ فِی الدُّنیَا کَأَنَّکَ غَرِیبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِیلٍ''

''دنیا میں اس طرح رہو جیسے پردیسی رہتا ہے یا راہ گیر'' [بخاری:٦٤١٦]

بقیہ صفحہ............۳۶ پر

انسانی اعمال پر ربانی وعدے

حافظ خلیل الرحمٰن سنابلی

بلاشبہ انسانوں اور جناتوں کو اللہ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور اس دنیا کو ان کے لئے دار العمل قرار دیا ہے۔اب جو بندہ اللہ کی عبادت اور اعمال صالحہ کر کے اللہ کو راضی کرے گا وہی کامیاب قرار دیا جائے گا لیکن کیئے گئے اعمال پر آخرت میں بدلہ ملنے سے پہلے کچھ اعمال ایسے ہیں کہ جن کے کرنے پر دنیا ہی میں اللہ نے مختلف وعدے کیئے ہیں، آج ہم اس مضمون میں انہی جیسے کچھ اعمال کے بارے میں جاننے کی کوشش کریں گے:

۱۔ **شکر پر مزید کا وعدہ:** اللہ نے سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۷ میں کہا ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾

''یعنی اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید دوں گا''

یہ وعدہ ہے اللہ کا کہ اگر انسان اس کی نعمتوں کی قدر کرے، ان کو یونہی برباد نہ کرے اور ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرے تو اللہ اس جیسی مزید نعمتیں انسان کو عطا کرے گا، بصورتِ دیگر اللہ نے شدید عذاب کی خبر دی ہے اور نعمتوں سے محروم کر دینے کی دھمکی دی ہے۔اس طرح کی کئی مثالیں آپ کو قرآن میں مل سکتی ہیں، بطور مثال آپ سورہ سبا میں آیت نمبر ۱۵ سے ۱۹ تک قوم سبا کی حالت دیکھ سکتے ہیں یا پھر سورۃ النحل کی آیت نمبر ۱۱۲ کا مطالعہ کریں، اسی طرح اس جیسی اور بھی کئی قسم کی مثالیں خود آپ کے آس پاس آپ کو مل جائیں گی کہ اللہ نے شکر ادا کرنے والوں کو مزید دیا اور ناشکری کرنے والوں کو ان نعمتوں سے محروم کر کے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

۲۔ **اللہ کو یاد کرو گے اللہ تمہیں یاد کرے گا:** سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۵۲ میں اللہ نے فرمایا:

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾

''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا''

اور یہ معلوم ہے کہ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور ذکر کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کو یاد کریں، اپنی استطاعت کے مطابق ہمہ وقت اس کی تسبیح، تحمید، تکبیر اور تمجید میں لگے رہیں، اس کی دی ہوئی قوتوں اور توانائیوں کو اس کی اطاعت کے کاموں میں لگائیں۔بدلے میں اللہ ہمیں بھی یاد رکھے گا، مصیبت میں ہماری مدد کرے گا، پریشانیوں کو ہم سے دور

کرے گا اور ہمیں نیک عمل کی توفیق بھی دے گا......اور اگر ہم نے اللہ کا ذکر نہ کیا، اسے بھول گئے تو وہ بھی ہمیں بھول جائے گا اور جسے اللہ بھول جائے اسے کون یاد رکھ سکتا ہے۔

۳۔ دعا پر قبولیت کا وعدہ: دعا عبادت کی اصل ہے، دعا مومن کا ہتھیار ہے بلکہ دعا ہی دراصل عبادت ہے۔اور اللہ ہی اس بات کا حقدار ہے کہ اس سے دعا کیا جائے، اس کے علاوہ کسی اور کے سامنے ہاتھ نہ پھیلایا جائے، اللہ نے سورہ غافر کی آیت نمبر ۶۰ میں اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ:

﴿أُدعُونِی أَستَجِب لَکُم﴾

''تم مجھے پکارو، میں تمہاری پکار قبول کروں گا''

دعا کا مطلب یہ ہے کہ ہم خلوص وللّٰہیت اور محبت کے ساتھ، اللہ پر مکمل بھروسہ اور یقین رکھتے ہوئے اس کے سامنے اپنی حاجت وضرورت کو رکھ دیں، عاجزی وانکساری اختیار کرتے ہوئے اپنا وجود مکمل طور سے اسی کے حوالے کر دیں، اپنی آنکھوں سے آنسو کے دو قطرے گرا کر اپنی مراد اس کے سامنے رکھیں پھر دیکھیں کہ وہ کس طرح اپنے وعدے کی تکمیل کر کے آپ کی مراد کو پوری کرتا ہے...... مانگو تو سہی، پکارو تو سہی، وہ تو ہر آن دعا کو قبول کرنے کی صدا لگا رہا ہے اور قرآن وحدیث اس بات پر گواہ ہیں۔

۴۔ استغفار کرو، عذاب سے محفوظ رہو گے: ہر انسان گنہگار ہے لیکن بہترین گنہگار وہ ہے جو اللہ سے توبہ کر لے، اس سے معافی مانگ لے، اپنے گناہوں پر نادم اور شرمندہ ہو کر انہیں آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کر لے، تو اللہ کہتا ہے:

﴿وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُم وَھُم یَستَغفِرُونَ﴾

''اللہ ایسے لوگوں کو عذاب نہیں دیتا جو اللہ سے استغفار کرتے ہیں'' [الأنفال:۳۳]

مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے انسانوں سے اس بات کا وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ استغفار کریں گے تو اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا بلکہ استغفار کے عوض انہیں پانی، مال، اولاد، جنت اور طاقت وقوت بطور انعام عطا کرے گا جیسا کہ سورہ نوح کی آیت نمبر ۱۰ سے ۱۲ میں اللہ نے استغفار کے ان سب فوائد کا تذکرہ کیا ہے۔

محترم قارئین! یہ تعلیمات ہم سے اس بات کی اپیل کرتی ہیں کہ اگر ہم اللہ کی باتوں کو قبول کریں گے تو اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے۔لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ ہم ان اعمال کو لازم پکڑیں تاکہ اللہ کی طرف سے ہم ان انعامات کے اور اس کی رحمت کے مستحق ہو جائیں۔

☆☆☆

اعمال میں اتباع کتاب وسنت کی اہمیت

ام حبان

شریعت اسلامیہ میں محض اعمال بجالانے کی ترغیب نہیں، بلکہ کچھ حدود و قیود اور شرائط کے مطابق اعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر ان میں کوئی کمی کوتاہی واقع ہوگئی تو اعمال شرفِ قبولیت سے محروم رہ سکتے ہیں، چنانچہ ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ ان میں سے بعض کا ذکر کر رہے ہیں:

۱۔ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو، نمود ونمائش یا ریا کاری و دکھاوا اور لوگوں میں شہرت حاصل کرنے کے لیے نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”إِنَّ اللّٰهَ لا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ“

”اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور شکلوں کو نہیں، بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے“ [صحيح مسلم: ٢٥٦٤]

۲۔ وہ عمل قرآن وسنت کے مطابق ہو ورنہ وہ عمل ضائع واکارت ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ“

” یعنی جس نے کوئی ایسا کام کیا کہ جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ مردود ہے“ [صحيح مسلم:١٧١٨]

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے ہٹ کر کیے گئے اعمال کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلا تُبْطِلُوا أَعمالَكُم﴾

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو“

[محمد:٣٣]

اس آیت کی تفسیر میں اہل علم نے لکھا ہے کہ قبولیت اعمال کے لیے شرط یہ ہے کہ آدمی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا پابند رہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے درج ذیل اثر پر خوب غور وفکر کیجیے:

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو (اس طرح نماز پڑھتے ہوئے) دیکھا کہ وہ رکوع وسجود مکمل نہیں کر رہا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

”مَا صَلَّيْتَ، وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا“

”تو نے نماز نہیں پڑھی اور اگر تو اسی حالت میں (غیر مسنون نماز پڑھتا) مر گیا تو اس فطرت پر نہیں مرے گا جس پر

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا فرمایا“ [صحیح البخاری:۷۹۱]

اندازہ کیجیے صحابی رسول نے عدم سنت پر کس قدر شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے۔اسی طرح جب تین افراد نے اپنے تئیں اعلیٰ اعمال کرنے کی بات کی جو درحقیقت نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے خلاف تھی تو آپ نے ان کا واضح طور پر ردکرتے ہوئے فرمایا: ”فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي“

”جس نے میری سنت سے انحراف کیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں“ [صحیح البخاری:۵۰۶۳]

کتاب وسنت کے مطابق اعمال کے لئے ضروری ہے کہ حسب توفیق واستطاعت دین کا مناسب علم حاصل کیا جائے۔

اس کی فضیلت واہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

” فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:”إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرَضِينَ حَتَّى النَّمْلَةَ فِي جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوتَ لَيُصَلُّونَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ“

”عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک عام آدمی پر ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے مزید فرمایا:”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمان وزمین والے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں اس شخص کے لیے جو نیکی وبھلائی کی تعلیم دیتا ہے خیر وبرکت کی دعا کرتے ہیں“ [سنن الترمذی:۲۶۸۵،صحیح]

عمل سے پہلے جب انسان علم حاصل کرے گا تو اسے دین کا صحیح فہم ملے گا اور ہم بارہا کہتے ہیں اس دور میں دین کا صحیح فہم ملنا اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔

ایک شیطانی وسوسہ کہ اتنے کثیر لوگ کتاب وسنت کے حکم کے خلاف اعمال کرتے ہیں، دین کے نام پر بدعات و خرافات میں مبتلا ہیں۔ان سب کا انجام کیا ہوگا، کیا ان کے اعمال ضائع ہوجائیں گے؟ تو واضح رہے کہ حدیث رسول میں اس کا جواب موجود ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ“

”اسلام اجنبی تھا عنقریب جلد اجنبی ہوجائے گا پس ایسے اجنبیت سے لبریز لوگوں کے لئے خوشخبری ہے“ [سنن ابن ماجہ:۳۹۸۶،صحیح]

حق اور باطل کو پرکھنے کا پیمانہ قرآن وحدیث ہے نہ کہ زیادہ لوگ اور تھوڑے لوگ……

صعوبتیں جھیل کر اعمال کیئے جائیں مگر وہ اعمال شریعت اسلامیہ میں ناپید ہوں، قرآن پڑھیں، کتب احادیث

کھنگالیں، آثار صحابہ وتابعین، تبع تابعین، آئمہ دین، سلف صالحین کے فہم کی طرف نظر کریں اگر ہمارے اعمال ان میں موجود احکامات کے برعکس ہوئے تو اللہ نہ کرے ہم اس قرآنی آیات کے مصداق تو نہیں: ﴿عاملة ناصبة﴾

''اور مارے مشقتوں کے تھک کر چور ہو رہے ہوں گے'' [الغاشية:٣]

مشہور تابعی امام زہری فرماتے ہیں: ''كَانَ مَنْ مَضَى مِنْ عُلَمَائِنَا يَقُولُونَ: الِاعْتِصَامُ بِالسُّنَّةِ نَجَاةٌ''

''ہم سے پہلے گزرنے والے علماء فرماتے تھے کہ سنت کو مضبوطی سے پکڑنے میں نجات ہے'' [سنن دارمی:٩٧]

اعمال پہاڑ جتنے مگر ثواب ایک ریت کے ذرے جتنا بھی نہیں۔ کیوں؟؟؟؟

کیونکہ وہ اعمال کتاب وسنت کی کسوٹی پر پورے نہیں اتر رہے ہوں گے۔

ایک سوال کہ ہر انسان کی ذہنی صلاحیتیں مختلف ہوا کرتی ہیں کہ ایک ایسا انسان علمی معذور نہ وہ خود پڑھ سکتا ہے نہ اس کے پاس کوئی ذریعہ ہے کہ جان سکے قرآن کیا کہتا ہے احادیث میں کیا لکھا ہے؟

ہم کہیں گے وہ شاید عنداللہ معذور ہو۔ اور اس کے برعکس ایک انسان کے پاس بتانے والا رہنمائی کرنے والا موجود ہے مگر پھر بھی صرف انا، ضد، وذاتی مخالفت میں اپنی مرضی کے اعمال کرنے پر کمر بستہ ہے ایسے شخص کے اعمال زیرو سے ملٹی پلائی ہو جائیں گے۔

اچھا دین کے معاملے میں رہنمائی کس سے لیں؟ آپ بتایئے آپ کے ملک میں معیشت پر کون بات کرتا ہے؟ ایک اکانومسٹ؟ قانون پر کون بات کرتا ہے؟ وکیل؟ ان لوگوں نے اس شعبہ میں فن کو ماہرین اساتذہ سے حاصل کیا۔ دفاع کا شعبہ جس کے پاس ہے وہی حالت جنگ میں دفاعی طریقے بتائے گا یا پھر ہمارے وہ لوگ جنھوں نے مناسب دین کا علم کسی اہل علم کے پاس بیٹھ کر حاصل نہیں کیا۔

ہماری معزز خواتین میں یہ عادات بہت ہیں کہ دین کے معاملے میں بڑھ چڑھ کر رائے دیتی ہیں جبکہ انہوں نے کسی بھی قسم کا قرآن وحدیث کا علم کسی اہل علم سے نہیں لیا۔ تو یہ بہت بڑی جسارت ہے۔

بحث برائے بحث اور تنقید برائے تنقید کے ساتھ اپنی کم علمی پر خود اعتمادی کا نقصان اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی عاقبت بھی خراب کرنے والی بات ہے۔

ہم نے کتاب وسنت کو اتنے ہلکے میں کیوں لے لیا؟ اور کتاب وسنت بیان کرنے والے سے ذاتی عناد پر کیوں اتر آتے ہیں؟ ہمارے لوگ جو سراسر ہمارے فائدے کی بات کر رہا ہوتا ہے۔

اللہ ہمارے منہ سے نکلے الفاظ میں کہیں کوئی غلطی ہوگئی ہو تو ہم معافی کے طلبگار ہیں۔

اسلامک انفارمیشن سینٹر کا
انفرادی دعوتی شعبہ

اسلامک انفارمیشن سینٹر کا دعوہ ڈیسک

کرلا، اندھیری، ساکی ناکہ سینٹر پر علماء کے
روبرو بیٹھ کر اپنے دینی سوالوں کے جواب پائیں۔

واٹس ایپ اسلام ہیلپ لائن

808080 1882

مذکورہ نمبر پر اسلام کے متعلق کوئی بھی سوال
پوچھیں اور دلیل کے ساتھ جواب حاصل کریں۔

تحریری فتاوے

وراثت، نکاح، طلاق، ودیگر اہم تحریری سوالوں کے
جواب تحریری شکل میں سینٹر سے حاصل کریں۔

تین اسلامی ہیلپ لائن نمبرز پر فون سے رابطہ کر کے
اسلامی سوالوں کے جواب حاصل کریں۔

808080 7836, 808080 1882, 771000 7943

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

Gala No.6, Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (W), Phone : 02226500400

Andheri Bakery Compound, Opp. Surbhi Vada Pav, Andheri Station Road Jama Masjid, Andheri (W), Mobile : 8080801882

Shop No. 9, Yadav Nagar, Near Masjid Sirajul Uloom, Khairani Road, Sakinaka-72, Mobile : 7710007943

iic mumbai | mumbaiiic | mumbaiiic | iic mumbai official | islamsmessage | iic mumbai

www.islamsmessage.com | Islamic Messages 70457 88257 | Helpline No. 808080 1882 | Question & Answers 022 26500 400

Total Pages 52
Date Of Publication : 1st Of Every Month
RNI No. : MAHURD/2011/49422/Postal Registration No. : MCE/281/2019-21
Posted On 4th And 5th Of Every Previous Month

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

IIC MONTHLY RATION PACKAGE

بیوہ، یتیم، غرباء، مساکین اور ضرورت مندوں کا سہارا بنیں!

Bewah, Yateem, Gurba, Masakeen Aur Zarooratmando'n Ka Sahara Bane'in!

Per Package ₹ 1500/-

Rice 10 kg.	Wheat Flour(Chakki) 10 kg.	Tuwar Dal 1 kg.	Vatana Dal 1 kg.
Masoor Dal 1 Kg.	Sugar 2 kg.	Tea 500 gm.	Refined Oil 3 liter
Mirchi Powder 100 gm.	Dhaniya Powder 100 gm.	Haldi Powder 100 gm.	Salt 1 kg.

Distribute By : IIC-Mumbai

"Kya Aap Chahte Hai'n Ki Allah Ne Aapko
Jo Riz'q Diya Hai Us Mei'n Se Ek Mahine Ka Ration
Aap Kisi Zarooratmand Ko Dei'n ?"

Aiye Khidmate Khalq Ke Is Mission Mei'n
Hamara Ta'aawun Karei'n- Jazakumullahu Khaira

Contact Karen Call or Whatsapp : 8291 063 785

ICICI BANK : Account Name : ILM FOUNDATION (Savings),
Account No. : 102801002071 | IFSC : ICIC0001028,
Branch : Andheri link Road Mumbai,

GooglePay, Paytm +91 8657 458 183

Islamic Information Centre, Mumbai

Gala No.6, Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (W), Phone : 02226500400 | Andheri Bakery Compound, Opp. Surbhi Vada Pav, Andheri Station Road Jama Masjid, Andheri (W), Mobile : 8080801882 | Shop No. 9, Yadav Nagar, Near Masjid Sirajul Uloom, Khairani Road, Sakinaka-72, Mobile : 7710007943

If Undelivered Please Return To

Ahlus Sunnah

Islamic Information Centre

Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post